جون ۹۲ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

- **فریضۂ اقامتِ دین**
  مطالبات دین کے ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب
- **امیر تنظیم اسلامی کا پیغام رفقاء تنظیم کے نام**
  سترہویں سالانہ اجتماع میں امیر تنظیم اسلامی کا اختتامی خطاب

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

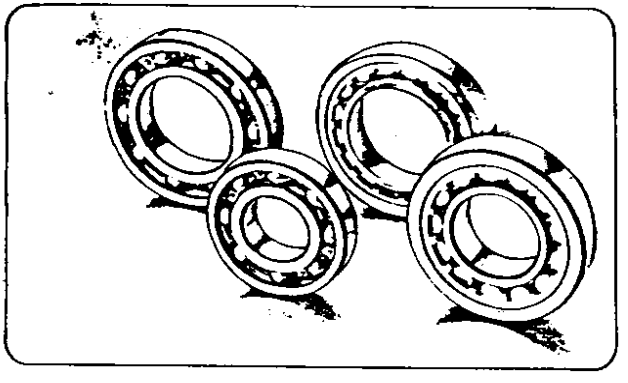

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : **(Opening Shortly)**	Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169
GUJRANWALA :	1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد: ۴۱
شمارہ: ۶
ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ
جون ۱۹۹۲ء
فی شمارہ ۵/-
سالانہ زرتعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارہ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، مسقط، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات - ۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا - ۶ - امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، اسکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ - ۹ - امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ - ۱۲ - امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروزپور روڈ۔ لاہور (پاکستان)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

یکے از مطبوعات تنظیم اسلامی، مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

پبلشر: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

◎ **عرض احوال** ——— ۳

حافظ عاکف سعید

◎ **تذکرہ وتبصرہ** ——— ۵

سورۃ العصر کی عظمت وجامعیت

اور اس کے ساتھ میرے تعاہدِ ذہنی کی تاریخ

("راہِ نجات" کے گیارہویں ایڈیشن کے لیے تازہ تحریر شدہ "مقدمہ")

ڈاکٹر اسرار احمد

◎ **مطالباتِ دین** ——— ۱۷

فریضۂ اقامت دین

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

◎ **کتابیات** ——— ۳۸

پانچواں کبیرہ : یتیم کا مال ہضم کرنا

زیر طبع کتاب 'کبائر' کے باب دوم کی فصل خامس

مؤلف : ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

◎ **امیر تنظیم اسلامی کا پیغام رفقائے تنظیم کے نام** — ۴۱

چند اہم ہدایات، مشورے اور بعض علمی وعملی تحفے

سترہویں سالانہ اجتماع میں امیر تنظیم اسلامی کا اختتامی خطاب

◎ **رفتارِ کار** ——— ۷۱

سالانہ رپورٹ : حلقہ خواتین تنظیم اسلامی

مرتبہ : امۃ الہادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

ملک خداداد پاکستان جن تشویشناک حالات سے گزر رہا ہے ہر باشعور پاکستانی کو ان کا بخوبی ادراک حاصل ہے۔ ۲۹ مئی کے خطاب جمعہ کے آخری حصے میں امیرِ تنظیم اسلامی نے ملکی حالات کے حوالے سے جن خیالات کا اظہار کیا تھا وہ بہت سے لوگوں کو اپنے دل کی آواز معلوم ہوئے۔ اس خطابِ جمعہ کا جو پریس ریلیز اخبارات کو بھیجا گیا تھا اس کا یہ حصہ بہت قابل توجہ ہے:

"سندھ میں آرمی ایکشن بد ترین خدشات اور بہترین توقعات کی دھوپ چھاؤں میں شروع ہوا ہے' تاہم اس شبہ کا اگر شائبہ بھی پیدا ہوگیا کہ شہری اور دیہی سندھ میں کوئی امتیاز برتا جارہا ہے تو ملک و ملت کے دشمنوں کو کھلا موقع مل جائے گا اور اس اقدام کے خوفناک نتائج نکلیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اپنے ایک اہم ترین صوبے میں حالات کو سنبھالنے کی غرض سے فوج کی مدد حاصل کرنے والی وفاقی حکومت کی کمزوری میں اب کیا شک رہ گیا ہے جو اپنا اخلاقی اصولی اور قانونی جواز آئی جے آئی کے ختم ہوجانے پر پہلے ہی کھو چکی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ موجودہ سیاسی قیادت کو گذشتہ انتخابات میں جو مینڈیٹ ملا وہ بھی مشکوک تھا اور دنیا بھر میں اس پر چہ میگوئیاں ہوئی ہیں۔ اب اس کا وجود صدر غلام اسحٰق خان کی پیشانی پر ایک کلنک کا ٹیکہ ہے جسے وہ دھو ڈالیں اور موجودہ اسمبلیاں توڑ دیں تو ملک و قوم کے حق میں ان کی طرف سے یہ ایک بھلائی ہوگی۔ امیر تنظیم اسلامی نے یاد دلایا کہ وہ بہت دیر سے کہتے چلے آرہے ہیں کہ مارشل لاؤں نے ہماری سیاست کی گاڑی کو جس پٹڑی سے اتارا اس پر دوبارہ چڑھانے کے لئے تھوڑے تھوڑے وقفے سے کئی الیکشن کرانے ضروری ہوں گے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے حکومت پاکستان کی افغان پالیسی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں روسی افواج کی واپسی کے بعد سے ہی مجاہدین کے معاملات میں مداخلت کا سلسلہ بند کردینا چاہیے تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس کے بعد سے اب تک افغانستان میں ہم نے جو کچھ کیا وہ تو ہوچکا ہے لیکن اب بہر حال بہتر یہ ہوگا کہ افغانوں کو اپنے داخلی مسائل خود حل کرنے کا موقع دیا جائے۔ امیر تنظیم اسلامی نے پورے وثوق سے یہ بات کہی کہ افغان جہاد میں خلوص و اخلاص کے ساتھ دنیا بھر سے آئے ہوئے مسلمانوں نے اور خود افغانوں نے اتنی قربانیاں پیش کی ہیں اور اتنا خون دیا ہے کہ اس کے رائیگاں ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے نتیجے میں خیر ضرور برآمد ہوگا لیکن اس سے پہلے افغان مجاہدین پر اس قصور کی سزا کے چند کوڑے اور پڑتے نظر آرہے ہیں جس کا ارتکاب انہوں نے جدوجہد کے دوران اتحاد واتفاق کو گروہی مفادات پر قربان کر کے کیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں سے دعا کی درخواست کی کہ

افغان بھائیوں کی سزا جلد از جلد ختم ہوجائے اور خونِ شہیداں کو رنگ لانے کا موقع ملے"۔

☆☆☆☆

تنظیم کے سالانہ اجتماع کے موقع پر' جو اپریل میں منعقد ہوا تھا' امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا جو قدرے مفصل خطاب اختتامی اجلاس میں ہوا تھا اسے ٹیپ کی ریل سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے "ندائے خلافت" کے ایک گذشتہ شمارے میں شائع کردیا گیا تھا۔ یہ خطاب اس اعتبار سے نہایت جامع اور ہمہ گیر تھا کہ اسی میں امیر تنظیم نے جماعتی زندگی اور اس کے متعلق بہت سے گوشوں کا بڑی عمدگی سے احاطہ کیا تھا۔ چنانچہ اس ایک خطاب میں رفقاء تنظیم کے لئے بعض اہم ہدایات اور مفید مشورے بھی تھے اور بعض وقیع علمی و عملی نکتے بھی۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے شاملِ میثاق کیا جارہا ہے۔ میثاق کے وہ قارئین بھی جو ندائے خلافت کا بھی باقاعدگی سے مطالعہ کرتے ہیں' اس کے مکرر مطالعے میں یقیناً دلچسپی محسوس کریں گے' اس لئے کہ ندائے خلافت میں اشاعت کے بعد خود امیر تنظیم نے اپنی شدید مصروفیات میں سے وقت نکال کر اس پر نہ صرف یہ کہ نظر ثانی کی ہے بلکہ جہاں ضروری خیال کیا مناسب ترمیم و اضافہ بھی کیا ہے۔ چنانچہ اب یہ پہلے سے زیادہ بہتر اور مکمل صورت میں قارئین کی نذر کیا جارہا ہے ------ حلقہ خواتین تنظیم اسلامی کی سالانہ رپورٹ بھی' جو سالانہ اجتماع کے موقع پر پیش کی گئی تھی' زیر نظر شمارے میں شامل ہے جس سے بجا طور پر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تنظیم اسلامی کا حلقہ خواتین بحمد اللہ اب منظم طور پر سرگرم عمل ہے۔ ابھی حال ہی میں یکم جون ۹۲ء کو لاہور میں حلقہ خواتین کے زیر اہتمام جو بھرپور اجلاس عام منعقد ہوا ہے وہ بھی اس بات کا اضافی ثبوت ہے کہ یہ حلقہ اب اللہ کے فضل و کرم سے فعال ہوچکا ہے۔ اس اجلاس عام کی تفصیلی رپورٹ آئندہ کسی شمارے میں شامل کردی جائے گی۔

☆☆☆☆

سانحہ ارتحال

داؤد سے تعلق رکھنے والے نوجوان رفیق تنظیم انیس احمد نے اطلاع دی ہے کہ ان کے والد محترم مولانا نثار احمد صاحب ۱۵ر مئی بروز جمعۃ المبارک قضائے الٰہی سے رحلت فرمائے گئے ہیں' انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مولانا مرحوم ایک بلند پایہ واعظ و مبلغ اور دیو بند کے فاضل تھے اور سندھ کے مشہور دینی ادارے دار الہدیٰ ٹھیڑی میں ایک عرصہ تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں بلند درجات سے نوازے! (آمین)

سورۃ العصر کی عظمت وجامعیت

اور اس کے ساتھ میرے تعاہدِ ذہنی کی تاریخ!

اور

لفظ "وَتَوَاصَوْا" سے مولانا فراہیؒ کا وجوبِ قیامِ خلافت پر استدلال اور صاحبِ "تدبرِ قرآن" کا اس سے افسوسناک اِغماض!

("راہِ نجات" کے گیارہویں ایڈیشن کے لیے تازہ تحریر شدہ "مقدمہ")

از: ڈاکٹر اِسرار احمد

راقم الحروف کے قلب و ذہن پر سورۃ العصر کی عظمت کا اوّلین نقش اس وقت قائم ہوا تھا جب اغلباً ۱۹۵۳ء میں مولانا امین احسن اصلاحی کا ترجمہ کردہ "مجموعہ تفاسیرِ فراہیؒ" پہلی بار شائع ہوا۔

خوش قسمتی سے اس سے متصلاً قبل راقم قرآن پر تدبّر اور تفکّر کے اُس اسلوب اور طریق سے متعارف ہو چکا تھا جو اب فراہیؒ مکتبۂ فکر کے عنوان سے معروف و مشہور ہے اس لیے کہ دسمبر ۱۹۵۱ء اور جولائی ۱۹۵۲ء کے دوران راقم نے جو دو تربیت گاہیں اسلامی جمعیت طلبہ کے زیرِ اہتمام بحیثیت ناظمِ جمعیتِ لاہور اور ناظمِ جمعیتِ پنجاب منعقد کی تھیں ان میں قرآن حکیم کے بعض مقامات دو مرتبہ مولانا فراہیؒ کے شاگردِ رشید مولانا اصلاحی سے لفظاً لفظاً پڑھ لیے تھے۔

"مجموعہ تفاسیرِ فراہیؒ" میں سے راقم سب سے زیادہ متأثر تو "مقدمہ تفسیر نظام القرآن" سے ہوا جس کا ایک ایک لفظ راقم کے ذہن اور شعور کا جزو بنتا چلا گیا۔ رہیں

مختلف اور متفرق سورتوں کی تفسیریں تو ان میں سے راقم کے ذہن و قلب نے سب سے زیادہ تاثر تفسیر سورۃ العصر سے قبول کیا، جس کے جملہ مباحث راقم کے قرطاسِ ذہن ہی نہیں لوحِ قلب پر بھی نقش ہوتے چلے گئے! ـــــ باقی سورتوں کی تفسیر کے ضمن میں تو بہت سے مقامات کے بارے میں اُس وقت بھی میرا تاثر یہ تھا کہ اُن کے مطالب کو نظمِ قرآن اور ربطِ آیات کے اصولوں پر منطبق کرنے میں کسی قدر تکلّف ہی نہیں باضابطہ کھینچ تان کا انداز پایا جاتا ہے۔ (اور اب تو بعض تعبیرات سے مجھے شدید اختلاف بھی ہے) لیکن سورۃ العصر کی تفسیر کے ایک ایک لفظ سے راقم کو اُس وقت بھی اتفاق تھا اور آج بھی، جبکہ پورے چالیس سال بیت چکے ہیں۔ اور اس طویل عرصے کے دوران ذہن و فکر کے بہت سے نئے در یچے وا ہوئے اور تفسیر و تاویلِ قرآن کے ضمن میں بعض نئے زاویہ ہائے نگاہ سے تعارف ہوا نتیجۃً میرے فکرِ قرآنی میں بعض نئے اعراض و اَبعاد (DIMENSIONS) کا اضافہ ہوا ـــــ سورۃ العصر کے جو مطالب و معانی مولانا فراہیؒ نے بیان کیے تھے ان کی صحت اور درستی پر انشراحِ واطمینان میں نہ صرف یہ کہ کمی نہیں ہوئی بلکہ اضافہ ہی ہوا۔ اور خاص طور پر شرائطِ نجات اور لوازمِ فلاح کے جامع بیان یا بالفاظِ دیگر صراطِ مستقیم کے سنگ ہائے میل کی نشاندہی کے ضمن میں اس سورۂ مبارکہ کی عظمت کا نقش جلی سے جلی تر اور عمیق سے عمیق تر ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ سورۃ العصر کے بارے میں امام شافعیؒ کے الفاظ ـــــ یعنی: "اگر لوگ صرف اسی ایک سورت پر تدبّر کریں تو یہ ان (کی ہدایت) کے لیے کافی ہو جائے!" اور "اگر قرآن میں اس ایک سورت کے سوا کچھ اور نازل نہ ہوتا تو تنہا یہ سورت بھی لوگوں (کی ہدایت) کے لیے کفایت کرتی!" مجھے بالکل اس انداز میں اپنے دل کی آواز محسوس ہونے لگے کہ ع

"متفق گردید رائے بوعلی با رائے من!"

یہی وجہ ہے کہ جب راقم کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن کی "ہدایت" سے

لوگوں کو متعارف کرانے کے لیے مطالعۂ قرآن حکیم کا ایک مختصر اور منتخب نصاب مرتب کیا جائے تو اس کی اساس اور بنیاد راقم نے سورۃ العصر ہی کو بنایا۔ پھر اس کے حصّہ اوّل میں چند اور مقامات ایسے شامل کیے جو لوازمِ فلاح کے بیان کی جامعیت کے اعتبار سے اسی کے ہم پلّہ یا لگ بھگ ہیں اور پھر ایک ایک حصّہ اس سورۂ مبارکہ میں بیان شدہ چار شرائطِ نجات میں سے ایک ایک کی مزید وضاحت اور تفصیل پر مشتمل مقامات کے لیے مختص کیا اور آخری اور چھٹا حصّہ تنہا "ام المسبّحات" یعنی سورۃ الحدید کے لیے خاص کیا جو راقم کے نزدیک جہاں امّتِ مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآن حکیم کا جامع ترین مقام بھی ہے اور ذروۂ سنام بھی، وہاں فوز و فلاح کی بلند ترین منازل یعنی صدّیقیت اور شہادت کے مراتبِ عالیہ کے حصول کی جدّوجہد کے تقاضوں کے بیان کے ضمن میں جامعیت کی حامل ہونے کے اعتبار سے سورۃ العصر کی کامل مدِّمقابل ہے ——— اس طرح گویا مطالعۂ قرآن حکیم کا میرا مرتّب کردہ منتخب نصاب کُل کا کُل "کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ خَبِیۡرٍ ۝ (ھود: ۱) کے مصداق سورۃ العصر ہی کی تفصیل پر مشتمل ہے۔ اور یہ بات اس اعتبار سے نہایت مناسب ہے کہ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو سورۃ العصر کی نسبت پورے قرآن حکیم کے ساتھ بالکل وہی ہے جو آم کی گٹھلی کو اس کے درخت سے ہوتی ہے یعنی جیسے آم کی گٹھلی میں بالقوہ (POTENTTIALLY) آم کا پورا درخت موجود ہوتا ہے اسی طرح سورۃ العصر میں بالقوہ پُورا قرآن موجود ہے۔ چنانچہ سورۃ العصر میں وارد پانچ کلمات یعنی والعصر، ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کو قرآنِ حکیم کے جملہ مضامین کا جامع و کامل انڈکس قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ قرآنِ حکیم میں یا مباحثِ ایمانی ہیں جن میں مثبت طور پر توحید، معاد اور رسالت کو دلائل اور براہین سے ثابت کیا گیا ہے یا ملحدین و مشرکین اور مشککین و منافقین کا مدلّل رَدّ و ابطال ہے ——— یا مباحثِ اعمالِ صالحہ ہیں جن میں نہ صرف بنیادی انسانی اخلاقیات سے اخلاقِ عالیہ و فاضلہ تک بلکہ حقوق اللہ

سے حقوق العباد تک، اور عبادات سے معاملات تک شریعت کے جملہ احکام کا احاطہ کر لیا گیا ہے' ـــــ یا دعوت و تبلیغ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اور شہادت علی الناس کے مباحث ہیں جن کا جامع عنوان تواصی بالحق ہے یا جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے مباحث اور اُن کے ضمن میں صبر و مصابرت کی تلقین و تاکید ہے جو سب تواصی بالصبر کے ذیل میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ صرف قصص النبیین اور انباء الرسل ہیں یا مبدأ و معاد کی تفاصیل یعنی عہدِ الست اور قصہ آدم و ابلیس سے لے کر جو زمانہ ماضی سے متعلق ہیں، بعث بعد الموت، حشر و نشر، حساب کتاب، وزنِ اعمال اور پھر اصحاب الاعراف سمیت اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کے حالات و کوائف ہیں جن کا تعلق زمانہ مستقبل سے ہے اور ظاہر ہے کہ ماضی اور مستقبل دونوں کے لیے کلمہ "والعصر" جامع ترین عنوان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس طرح گویا سورۃ العصر کی تشریح و توضیح اور تفصیل و اطناب کا پہلا مرحلہ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب ہے ـــــ اور اسی کی تکمیل پورے قرآن حکیم کی صورت میں ہوتی ہے ـــــ (عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی 'الفوز الکبیر' میں جملہ مضامینِ قرآنی کو پانچ عنوانات کے ذیل میں منقسم قرار دیا ہے' ـــــ اور سورۃ العصر کے حوالے سے بھی قرآن حکیم کے جملہ مضامین پانچ ہی عنوانات کے ذیل میں آ جاتے ہیں!)

سورۃ العصر کے ساتھ راقم کے اس 'تعاہد ذہنی' کا نتیجہ ہے کہ ۱۹۶۶ء کے وسط میں جب میں نے ماہنامہ 'میثاق' لاہور کی ادارت سنبھالی تو جو اوّلین تحریریں میرے قلم سے نکلیں ان میں سورۃ العصر کے تأثرات پر مشتمل وہ تحریر بھی تھی جو اس کتاب میں شامل ہے!

مطالعہ قرآن حکیم کے متذکرہ بالا منتخب نصاب کا سلسلہ وار اور مکمل درس راقم نے گزشتہ ثلث صدی کے دوران اندرونِ ملک اور بیرونِ پاکستان اگر سینکڑوں نہیں تو لازماً بیسیوں مرتبہ تو ضرور دیا ہے جس میں ہر بار آغاز لازماً سورۃ العصر کے درس ہی سے ہوا۔

مزید برآں درس قرآن کی لاتعداد منتشر اور منفرد مجالس میں اس سورۂ مبارکہ کا درس دیا گیا ان میں سے ایچی سن کالج لاہور کا درس اس اعتبار سے ایک اہم علامت (LANDMARK) بن گیا کہ یہ کتابچے کی شکل میں شائع ہو کر بلا مبالغہ لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوا۔ ——— اسی طرح ۱۹۷۹ء کا ٹورنٹو (کینیڈا) کا درس اس بنا پر اہمیت اختیار کر گیا کہ اس کے آڈیو کیسٹ نہایت عمدہ معیار پر تیار ہو کر مشرق و مغرب کے بے شمار ممالک میں ہزاروں کی تعداد میں پھیل گئے، اور ۱۹۸۵ء کا ابوظبی (متحدہ عرب امارات) کا درس اس لیے مشہور ہو گیا کہ اس کے نہایت عمدہ وڈیو کیسٹ تیار ہو کر شرق و غرب میں دُور دُور تک پہنچ گئے۔

ایچی سن کالج کی تقریر پر مشتمل کتابچہ جب وسیع حلقہ میں شائع ہوا تو بعض علماء کرام کی جانب سے اس پر تنقید بھی ہوئی جن میں مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہٗ اور مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سے حضرت مفتی صاحب نے تو پورا کتابچہ پڑھ کر اعتراض وارد کیے تھے جو سب کے سب خالص فقہی اعتبار سے تھے، جن کا کامل ازالہ اس ایک جُملے سے ہو جاتا ہے جو راقم نے احتیاطاً بعد کے تمام ایڈیشنوں میں کور کے اندر کے صفحے پر شائع کرنے کا التزام کیا۔ وھُوَ ھٰذا:

> "اس کتابچے پر بعض بزرگوں نے یہ گرفت فرمائی ہے کہ اس کی بعض عبارات سے عاصی اور گنہگار اہلِ ایمان کے اپنے گناہوں کے بقدر سزا پانے کے بعد جہنّم سے رہائی پانے کی نفی ہوتی ہے۔ مَیں اس سے برأت کرتا ہوں۔ میری رائے بھی یہی ہے کہ جس مسلمان کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا وہ بالآخر جہنّم سے نجات پا جائے گا۔ اِس کتابچے میں جہاں جہاں لفظ نجات آیا ہے اُس سے مراد 'اوّل وھلے میں نجات' ہے یعنی یہ کہ انسان کو جہنّم میں بالکل ڈالا ہی نہ جائے اور

میدانِ حشر ہی میں رحمت و مغفرتِ خداوندی اُس پر سایہ فگن ہو جائے! مزید برآں اس کتابچے کی زبان، قانون اور فتویٰ کی نہیں بلکہ ترغیب و ترہیب کی ہے ——— ورنہ میرا موقف بھی وہی ہے جو امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کا ——— یعنی گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے بھی کوئی شخص کافر نہیں ہوتا بلکہ مسلمان ہی رہتا ہے!"

رہا مولانا سیّد محمّد یوسف بنوریؒ کا معاملہ تو راقم کو ذاتی طور پر معلوم ہے کہ انہوں نے پُورے کتابچے کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ ایک فتنہ پرور شخص نے ان کی خدمت میں اس کی بعض عبارات کو سیاق و سباق سے علیٰحدہ کر کے پیش کر دیا تھا جس پر مولانا مرحوم نے ایک تنقیدی تحریر ماہنامہ 'بیّنات' میں شائع کرا دی۔ افسوس کہ اس کے کچھ ہی دنوں بعد مولانا کا انتقال ہو گیا ورنہ راقم کو یقین ہے کہ اگر اسے وضاحت کا موقع مل جاتا تو مولانا موصوف یقیناً اپنی تنقید سے رجوع فرما لیتے۔ بہرحال ذاتی طور پر میرے اطمینان کے لیے یہ کافی ہے کہ مولانا مرحوم کے خویشِ کلاں مولانا محمّد طاسین مدظلہٗ نے اس کتابچے کی کُلّی تصویب فرما کر بڑی حد تک تلافی کی صورت پیدا کر دی ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے مولانا موصوف کی یہ تحریر اس کتابچے کے آخر میں بطورِ ضمیمہ شامل کی جا رہی ہے۔

اس کے باوجود بعض نوجوان علماء کو ایمان اور عمل صالح کے تلازمِ باہمی کے ضمن میں اس کتابچے کی بعض تعبیرات سے اختلاف ہے تو اس معاملے کی مکمل وضاحت راقم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے "حقیقتِ ایمان" کے موضوع پر اپنے ان پانچ خطبات میں کر دی ہے جو مارچ ۱۹۹۱ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے سالانہ محاضراتِ قرآنی کے سلسلہ میں دیئے گئے تھے۔ اور جو، اگر اللہ کے اِذن اور توفیق و تیسیر سے کتابی صورت میں شائع ہو گئے تو ان شاء اللہ العزیز فکرِ قرآنی اور حکمتِ ایمانی کی راہ کا اہم سنگِ میل ثابت ہوں گے۔ سردست اس موضوع پر عام قارئین کے اطمینان کے لیے مولانا سیّد سلیمان ندویؒ کی ایک تحریر بھی شاملِ ضمیمہ کی

جارہی ہے (ماخوذ از سیرت النبیؐ جلد پنجم)

آخر میں ایک تلخ اور تکلیف دہ حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے۔ مولانا فراہیؒ نے تفسیر سورۃ العصر میں ایک باضابطہ فصل "لفظ وَ تواصَوا سے خلافت کا وجوب" کے عنوان سے قائم کی تھی جس کے ذیل میں انہوں نے نہایت صحیح انداز میں اور بڑی عمدگی کے ساتھ 'قیامِ خلافت' اور 'اطاعتِ امیر' کا وجوب ثابت کیا تھا۔ مولانا فراہیؒ نے اپنی بحث کو جس قولِ فیصل پر ختم کیا ہے اُس کا حوالہ اور اقتباس اگرچہ پیشِ نظر کتابچے میں موجود ہے تاہم فوری ملاحظے کے لیے ذیل میں بھی درج کیا جا رہا ہے:

"اس سے معاملہ کی اصل حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عملِ صالح کریں، پھر ادائے حقوق کے معاملہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور چونکہ ادائے حقوق بغیر خلافت و سیاست کے ناممکن ہے اس لیے ضروری ہے کہ خلافت قائم کریں اور خلافت کا قیام چونکہ اطاعتِ امیر پر منحصر ہے اس لیے ضروری ہے کہ ان کے اندر اطاعت بھی موجود ہو۔"

مولانا حمید الدین فراہیؒ کے شاگردِ رشید مولانا امین احسن اصلاحی اس فکری پس منظر کے ساتھ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی "تحریکِ اسلامی" میں شامل ہوتے تو اس 'قِران السّعدین' سے بہت سا خیر ظہور میں آیا جس کا عظیم ترین مظہر ان کی معرکۃ الآراء تصنیف "دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار" ہے۔ اس کتاب کا اہم ترین باب "تبلیغ کس لیے" ہے جس کے آخر میں مولانا نے ایک طویل بحث کے لبِّ لباب کو **"خلاصۂ مباحث"** کے عنوان کے تحت ان الفاظ میں درج کیا ہے:

"اس پوری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے:

ا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام دنیا میں قیامت تک کے لیے تبلیغِ دین کی جو

ذمہ داری ڈالی گئی تھی اس کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی فرما کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تکمیل کا کام اپنی امّت کے سپرد فرمایا تاکہ یہ اُمّت ہر ملک، ہر قوم اور ہر زبان میں قیامت تک اس دین کی تبلیغ کرتی رہے۔

ب۔ اس تبلیغ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ شرط مقرر ہے کہ یہ دل سے کی جائے، زبان سے کی جائے، عمل سے کی جائے، بلا تقسیم و تفریق، پورے دین کی کی جائے، بے خوف لومۃ لائم اور بے زُور رعایت کی جائے، اور اگر ضرورت داعی ہو تو جان دے کر کی جائے۔

ج۔ اس جماعتی فرض کی ادائیگی کا باضابطہ ادارہ خلافت کا ادارہ تھا اور جب تک یہ ادارہ موجود تھا ہر مسلمان اس فرض کی ذمّہ داریوں سے سبکدوش تھا۔

د۔ اس ادارہ کے منتشر ہو جانے کے بعد اس فرض کی ذمہ داری امّت کے تمام افراد پر ان کے درجہ اور استعداد کے لحاظ سے تقسیم ہو گئی۔

ہ۔ اب اس فرض کی مسئولیت اور ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لیے دو ہی راہیں مسلمانوں کے لیے باقی رہ گئی ہیں: یا تو اس ادارہ کو قائم کریں یا کم از کم اس کو قائم کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا ئیں۔

و۔ اگر مسلمان ان میں سے کوئی بات نہ کریں تو وہ اس فرضِ رسالت کو ادا نہ کرنے کے مجرم ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے سپرد کیا گیا ہے اور صرف اپنی ہی غلط کاریوں کا وبال اپنے سر نہ لیں گے، بلکہ خلق کی گمراہی کا وبال بھی ان کے سر آئے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ کے لیے اصل محرّک درحقیقت اس فرضِ عظیم کا احساس ہے جو مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالا گیا ہے اور اس میں جو چیز بطور مطمح نظر اس وقت پیشِ نظر رکھنی ہے وہ یہ ہے کہ وہ نظامِ دعوتِ خیر پھر وجود میں آجائے جو خلق کو اللہ کے دین کی راہ بتا سکے اور دنیا پر اتمامِ حجت کر سکے۔ جب تک یہ چیز دنیا میں موجود

نہیں ہے ہر مسلمان کا سب سے مقدم اور سب سے بڑا اور سب سے اعلیٰ مقصد یہی ہے کہ اس کو وجود میں لانے کے لیے جو کچھ کر سکتا ہے کرے۔ اسی کے لیے ہر مسلمان کو سونا اور جاگنا چاہیے، اسی کے لیے کھانا اور پینا چاہیے اور اسی کے لیے مرنا اور جینا چاہیے۔ اس کے بغیر مسلمانوں کی زندگی خدا کے منشا کے بالکل خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ اپنی اس کوتاہی کے لیے کوئی عذر نہ کر سکیں گے۔ یہ چیز ان کی ہستی کی غایت ہے۔ اگر اس کو انہوں نے کھو دیا تو جس طرح وہ تمام چیزیں جو اپنے مقصدِ وجود کو کھو کر کوڑے کرکٹ میں شامل ہو جاتی ہیں اسی طرح یہ بھی اس زمین کے خس و خاشاک سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے اور ان کے لیے یہ ہرگز زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو 'امتِ وسط' یا 'خیرِ امت' کے لقب کا مستحق سمجھیں یا اللہ تعالیٰ سے کسی نصرت و حمایت کی امید رکھیں۔"

لیکن اب سے لگ بھگ ایک برس قبل جب راقم کا قرآن حکیم کا سلسلہ وار درس سورۃ العصر تک پہنچا اور اس موقع پر 'تدبرِ قرآن' سے بھی مراجعت کی گئی تو یہ دیکھ کر نہیں کہا جا سکتا کہ حیرانی زیادہ ہوئی یا افسوس، کہ اگرچہ مولانا اصلاحی نے سورۃ العصر کی تفسیر میں تمام تر انحصار مولانا فراہیؒ کی تحقیق ہی پر کیا ہے بلکہ تمام اہم مباحث وہیں سے 'نقل' کیے ہیں (جس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ 'تدبرِ قرآن' میں تفسیر سورۃ العصر کل ۲۱۰ سطروں پر محیط ہے اور ان میں سے ۱۴۰ سطریں مولانا فراہیؒ کی تفسیر کے اقتباسات پر مشتمل ہیں)، لیکن افسوس صد افسوس کہ تواصی کے لزوم سے قیامِ خلافت کے وجوب اور اس کے لازمی تقاضے کے طور پر وجوبِ اطاعتِ امیر سے متعلق پوری فصل بالکل "كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا" کے سے انداز میں غائب کر دی گئی ہے۔

نظری طور پر اس کے بہت سے وجوہ و اسباب ممکن ہیں جن میں سے بعض کے ضمن میں سوءِ ظن لازم آتا ہے۔ ان سے قطع نظر کرتے ہوئے اور اس اِغماض کو غیر شعوری

اور غیر ارادی ماننے کی صورت میں ایک ممکن توجیہہ تو یہ ہے کہ اِسے ضعیف العمری اور پیرانہ سالی اور اس سے متعلق اُس اٹل قانونِ قدرت پر محمول کیا جائے جس کا ذکر "وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ" کے الفاظ مبارکہ میں کیا گیا ہے (یٰسٓ: ۶۸) اور جس کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "ارذل العمر" سے اللہ کی پناہ طلب فرمایا کرتے تھے ('تدبّرِ قرآن' میں سورۃ العصر کی تفسیر کی تحریر کے وقت مولانا کی عمر چھہتر ۷۶ برس تھی)۔ لیکن راقم کے نزدیک اس کی دوسری زیادہ قرینِ قیاس توجیہہ یہ ہے کہ سولہ سترہ برس 'تحریکِ اسلامی' میں نہایت فعّال اور متحرک صورت میں بسر کرنے کے بعد جب مولانا اصلاحی ۱۹۵۸ء میں جماعتِ اسلامی سے علیٰحدہ ہوئے[1] تو ایک تو یہی حادثہ ع "یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے!" کے مصداق ان میں مایوسی اور دل شکستگی پیدا کرنے کے لیے بہت کافی تھا، پھر اس پر مستزاد یہ کہ جب ۵۸ء سے ۶۲ء تک کے چار سالوں کے دوران میں انہوں نے کسی نئی ہیئتِ اجتماعیہ کے قیام کے لیے سرتوڑ کوششیں کیں اور ان میں انہیں پے بہ پے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو اس سے جو شدید مایوسی اور بددلی پیدا ہوئی اس نے ایک جانب ان کے عزم و ہمّت اور قوتِ ارادی کو کچل کر رکھ دیا اور دوسری جانب علامہ اقبال کے ان الہامی الفاظ کے مطابق کہ ع "نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے"! ان کے قرآنی فکر اور دینی نظریات و تصوّرات کو زوال و اضمحلال کا شکار اور شکست خوردہ ذہنیت پر مبنی ترقیٔ معکوس اور رجعتِ قہقری کا مظہر بنا کر رکھ دیا، فَيَا اَسَفَا وَا حَسْرَتَا!

یہی وجہ ہے کہ خود راقم کی محبوب ترین دعا وہ ہے جو سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۸

---

[1] اس علیٰحدگی کے وجوہ و اسباب، اور اس کے سلسلے کے حوادث و واقعات کی تفصیل کے لیے مطالعہ فرمائیں راقم کی تالیف: "تاریخ جماعتِ اسلامی کا ایک گم شدہ باب"۔

میں وارد ہوئی ہے، یعنی "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ" چنانچہ اس کتابچے کے ہر قاری سے بھی راقم کی استدعا ہے کہ وہ راقم کے حق میں دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے زندگی کے آخری لمحے تک اُس صراطِ مستقیم اور سواء السبیل پر بالفعل گامزن رکھے جس کے سنگ ہائے میل اللہ نے سورۃ العصر میں بیان فرمائے ہیں۔ اور اس ضمن میں اسے یہ توفیق دیئے رکھے کہ مولانا امین احسن اصلاحی ہی کے ایک قول کے مطابق اگر تیز سواری میسّر ہو تو فبہا، اس سے سفر کرے، اگر ایسا نہ ہو اور پھکڑے ہی دستیاب ہوں تو ان کے ذریعے سفر جاری رکھے، یہ بھی نہ ہو تو دو ٹانگوں ہی سے کام لے اور اُس سواء السبیل پر گامزن رہے۔ اور یہ بھی نہ ہو اور کسی داخلی یا خارجی سبب سے ٹانگیں بھی شل ہو جائیں تب بھی ع "گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے!" کے مصداق اپنی نگاہوں کو تو منزل پر جمائے رکھے اور کسی حال میں بھی منزلِ مقصود کو نگاہوں سے اوجھل اور سفر کی خواہش کو دل سے محو نہ ہونے دے۔

آخر میں راقم خود بھی نہ صرف اپنے بلکہ اس کتابچے کے جملہ قارئین کے لیے دعا کرتا ہے:

اللھم ربنا اجعلنا بفضلك وكرمك من عبادك الذين امنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔ امین یا رب العلمین برحمتك یا ارحم الراحمین واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین!

خاکسار اسرار احمد عفی عنہٗ

لاہور۔ ۱۵ مئی ۱۹۹۲ء

تنظیم اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی ۶۷۔ اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو میں منعقد ہونے والی

آئندہ تربیت گاہوں کا پروگرام

ملتزم تربیت گاہیں	مبتدی تربیت گاہیں
☆ ۳ تا ۹ جولائی ۹۲ء	☆ ۲۱ تا ۲۷ اگست ۹۲ء
☆ ۱۶ تا ۲۲ اکتوبر ۹۲ء	☆ ۲۰ تا ۲۶ نومبر ۹۲ء
☆ ۱۵ تا ۲۱ جنوری ۹۳ء	☆ ۵ تا ۱۱ فروری ۹۳ء

المعلن: ڈاکٹر عبدالخالق، ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان

بقیہ: امیر تنظیم اسلامی کا پیغام ۔ ۔ ۔ ۔

درمیان اتفاق کے ساتھ طے ہو جائیں، میں ان کو قبول کر لوں گا لیکن کوئی اختلاف ہو تو میرے پاس آئیں۔ دوسرے یہ کہ ان شاء اللہ میں اب ذرا تحریر کی طرف متوجہ ہونگا اور اپنے منہج انقلاب کے فکر کو اس طرح مرتب کرنے کی کوشش کروں گا جیسے کبھی استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ کے معاملے میں ہوا تھا۔ اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ دوسری صف آگے آئے اور مجھے زیادہ سے زیادہ فارغ کردے۔ چنانچہ میرا جلسہ تین مہینے میں ایک ہو اور اس میں بھی اصل تقریریں ساتھیوں کی ہونی چاہئیں۔ میری صرف صدارتی تقریر ہو جو زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کی ہو۔ ہماری سیکنڈ لائن جواب نکھر چکی ہے، پالش ہوگئی ہے اس سے تعلق رکھنے والے مقررین کو دس دس پندرہ پندرہ منٹ کی بجائے اب بھرپور وقت دیا جائے گا۔ ○○

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ!

فریضۂ اقامتِ دین

سورۃ الشوریٰ کی آیات ۱۳ تا ۱۵ کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

دعوتِ بندگیٔ رب اور فریضہ شہادت علی الناس کے بعد جو تیسری بڑی ذمہ داری اس امّت کے سپرد کی گئی ہے اس کے لئے قرآنی اصطلاح "اقامتِ دین" ہے، یعنی دین کا قیام، دین کا غلبہ، دین کو بحیثیت نظام زندگی بالفعل قائم کردینا۔ اصلاً تو یہ نتیجہ ہے اسی "عبادتِ رب" کا، جس سے گفتگو شروع ہوئی تھی، یعنی عبادت کا نتیجہ "شہادتِ حق" یا "شہادت علی الناس" اور شہادتِ حق کی بلند ترین منزل "اقامتِ دین" ہے، لیکن ان تینوں اصطلاحات کو علیحدہ علیحدہ ذہنوں میں محفوظ کرنا اس لئے ضروری ہوگیا ہے کہ فہمِ دین سے رفتہ رفتہ بُعد پیدا ہوجانے کی وجہ سے مجرد لفظ "عبادت" سے ذہن ان دوسری دو ذمہ داریوں تک نہیں پہنچتا جو حقیقت میں لازم و ملزوم ہیں۔ لہٰذا جب تک اس کے مضمرات کو کھول کر نہ بیان کردیا جائے کہ اس بیج میں یہ پورا درخت پنہاں ہے اس وقت تک ذہن اسی محدود تصورِ عبادت کی گرفت میں رہتا ہے کہ عبادتِ رب کا مقصد محض نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہے۔ اس محدود تصور سے رستگاری کے لئے ضروری ہے کہ ان تینوں اصطلاحات کو ملحوظ رکھا جائے جو درحقیقت ایک ہی نکتۂ ایمان کی تفسیریں ہیں! لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آپ "مطالباتِ دین" کے ضمن میں ان تین اصطلاحات کو ذہن نشین کر لیں کہ یہ تینوں چیزیں فرائضِ دینی میں شامل ہیں اور فلاحِ دنیوی اور نجاتِ اخروی کے لئے ناگزیر ہیں۔

اقامتِ دین کی گفتگو اصلاً تو ہمارے منتخب نصاب میں سورۃ الصّف کے درس کے ضمن میں آتی ہے، جس کا مرکزی مضمون یہی ہے کہ محمدٌ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

بعثت کا تکمیلی مقصد یہ ہے کہ جو ہدایت و رہنمائی اور دینِ حق یعنی ضابطۂ حیات دے کر آپؐ بھیجے گئے تھے اسے آپؐ پوری زندگی کے نظامِ اطاعت پر غالب کردیں۔ چنانچہ وہاں فرمایا گیا: هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ کہ وہی ہے اللہ جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا ہے' یعنی کتاب اور نظامِ شریعت دونوں دے کر' تاکہ آپؐ اس ہدایت اور دینِ حق کو ہر جنسِ دین پر غالب کردیں!

قابلِ غور بات

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا قرآن کا نزول محض تلاوت کے لئے ہوا ہے؟ یہ صرف زبانی تعریف و توصیف (Lip Service) کے لئے آیا ہے یا محض ایصالِ ثواب کے لئے اتارا گیا ہے؟ نہیں --- بلکہ قرآن تو حضورؐ پر اس لئے نازل کیا گیا تھا تاکہ اس کے مطابق نظامِ زندگی بالفعل قائم ہو اور دنیا کے سامنے اللہ کے دین کا جامع اور کامل نمونہ آجائے۔ از روئے قرآن حکیم حضورؐ کی بعثت کا مقصد یہی تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیاتِ طیّبہ اسی جدّوجہد سے عبارت ہے۔ اور اسی کے لئے محنتیں کرنے' مشقتیں جھیلنے' جانیں کھپانے' قربانیاں دینے' مال خرچ کرنے' غرضیکہ اس راہ میں اپنے جسم و جان کی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں لگانے کا مطالبہ ان لوگوں سے بھی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔ لہٰذا سورۃ الصف میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ "اے ایمان والو! کیا میں تم کو اس تجارت کے بارے میں بتاؤں جو تم کو عذابِ الیم سے چھٹکارا دلا دے؟ (وہ یہ کہ) اللہ اور اس کے رسولؐ پر پختہ یقین رکھو اور (اس کے دین کو غالب کرنے کے لئے) اس کی راہ میں جہاد اور مجاہدہ کی روش اختیار کرو۔ (اس کے لئے اپنی صلاحیتیں' توانائیاں' جانیں' مال و منال اور اپنے اوقات اللہ کی راہ میں کھپاؤ) یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھو!" (الصف: ۱۰-۱۱)

آج کی نشست میں اسی مضمون کی وضاحت کے لئے ہم سورۃ الشوریٰ کی آیات ۱۳ تا ۱۵ کا مطالعہ کریں گے۔ فرمایا:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى

"(اے مسلمانو!) اُس (اللہ) نے تمہارے لئے مقرر کیا ہے از جنسِ دین وہی جس کی وصیت کی تھی اس نے نوح کو' اور جو وحی کیا ہم نے (اے نبی) تمہاری طرف اور جس کی وصیت کی تھی ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو"

نوٹ کیجئے کہ "شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ" میں جمع مخاطب کی ضمیر استعمال ہوئی ہے' جس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ اس آیت کی مخاطب ہر دَور اور ہر زمانے کی امتِ مسلمہ ہے' البتہ "وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ" میں واحد مخاطب کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

تمام انبیاء و رسل کا دین ایک ہے

اس آیۂ مبارکہ کے زیرِ مطالعہ جزو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کے لئے بطورِ دین وہی چیز مقرر کی ہے جو اس سے پہلے دیگر جلیل القدر انبیاء و رسل کے لئے مقرر کی تھی۔ آیت کے اس جزو سے ایک ضمنی مضمون یہ نکلتا ہے کہ یہاں جن پانچ انبیاء و رسل (نوح' ابراہیم' موسیٰ' اور عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا تذکرہ ہے' ان کا انبیاء و رسل کے مابین ایک خصوصی مقام و مرتبہ ہے۔ قرآن مجید کی ایک اصطلاح ہے "اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ" (رسولوں میں ایک خاص مرتبہ والے' مقامِ عزیمت پر فائز رسول) اکثر و بیشتر علماء کا یہی خیال ہے کہ "اولوا العزم من الرسل" یہی پانچ رسول ہیں۔ بعض علماء اس فہرست میں حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کو بھی شامل کرتے ہیں' لیکن علماءِ سلف کی اکثریت کا رجحان انہی پانچ رسولوں کی طرف ہے جن کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے۔ گروہِ انبیاء و رسل میں یہ پانچ امتیازی شان کے حامل ہیں۔ ایک بات اس سے یہ بھی معلوم

ہوئی کہ ان تمام انبیاء و رسل کا دین ایک ہی رہا ہے۔ جو دین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہی دین حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، اور حضرت عیسیٰ سلام اللہ علیہم کا تھا۔

لفظ "دین" کا مفہوم

آگے بڑھنے سے پہلے لفظ "دین" کے معانی و مفاہیم کو اچھی طرح جان لینا اور سمجھ لینا ضروری ہے۔ یہ لفظ بھی "عبادت" اور "شہادت" کے الفاظ کی طرح تعلیماتِ اسلامی میں بڑا اہم اور مرکزی لفظ ہے اور اس کے صحیح اور حقیقی فہم پر ہی قرآن حکیم کی دعوت کا صحیح اور درست مطلب سمجھنا منحصر ہے۔ عربی زبان میں اس لفظ "دین" کا اصل مفہوم جزا و سزا یا بدلہ ہے۔ چنانچہ سورۃ الفاتحہ میں یہ لفظ اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ (جزا و سزا/بدلے کے دن کا مالک!) اردو کا مشہور محاورہ ہے "جیسا کرو گے، ویسا بھرو گے!" عربی میں اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے محاورہ بولا جاتا ہے "كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ" ---- اسی جزاء و سزا کے بنیادی تصور سے عربی زبان میں لفظ "دین" کے مفاہیم میں انتہائی وسعت پیدا ہوتی ہے اور غور کرنے سے یہ تمام مفاہیم اور وسعتیں سمجھ میں آجاتی ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ جزا و سزا کسی ضابطے اور قانون کے تحت ہی ہوتی ہے۔ یعنی ضابطے اور قانون کی پابندی اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے پر انسان جزاء کا مستحق ٹھہرتا ہے اور اس کی خلاف ورزی اور نافرمانی سے سزا کا مستوجب قرار پاتا ہے۔ لہٰذا اسی لفظ "دین" میں جزا و سزا اور بدلے کے ساتھ ساتھ قانون اور ضابطے کا تصور بھی پیدا ہوتا ہے۔ اب قانون اور ضابطے کے تصور کے مقتضیات و لوازم میں کسی مقنّن اور کسی مطاع کا تصور بھی شامل ہے۔ یعنی ایسی ہستی کا تصور جو قانون عطا کرنے والی (Law Giver) ہو۔ اب مزید آگے بڑھئے۔ جزا و سزا، قانون و ضابطہ اور مقنّن و مطاع کے تصورات و مقتضیات میں اطاعت کا تصور ایک ناگزیر لازمہ کی حیثیت سے شامل ہے۔ قرآن مجید کی مخصوص اصطلاح "دین" ان تمام تصورات کے اجتماع سے بنی ہے اور از روئے قرآن اس کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ:

"ایک پورا نظام زندگی اور مکمل ضابطہ حیات جس میں ایک ہستی یا ادارے

کو مطاع، مقنن (Law Giver) اور حاکمِ مطلق (Sovereign) مان کر اس کی جزا کی امید اور سزا کے خوف سے اس کے عطا کردہ قانون اور ضابطے کے مطابق اس ہستی (یا ادارے) کی کامل اطاعت کرتے ہوئے زندگی بسر کی جائے!"

دین کے اس تصور کو اس کی تمام تر کُلیت کے ساتھ سامنے رکھیے۔ قرآن مجید سے ہمیں لفظ دین کا یہی جامع تصور ملتا ہے۔ اس کے لئے اب میں قرآن مجید ہی سے استشہاد کرتا ہوں۔

دین الملک: سورۂ یوسف میں "دِیْنِ الْمَلِکِ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن ہی سے ثابت ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر میں بادشاہت کا نظام قائم تھا اور حضرت یوسفؑ اس نظام میں ایک بڑے عہدے پر فائز تھے۔ قحط کے دور میں جب ان کے بھائی دوبارہ غلہ لینے مصر پہنچے اور آپؑ نے اپنے چھوٹے بھائی بن یامین کو اپنے پاس روکنا چاہا تو اُس وقت مصر میں نظامِ بادشاہت کا جو قانون رائج تھا اس کے تحت ان کے لئے اپنے بھائی کو روکنا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک خصوصی تدبیر فرمائی۔ سورۂ یوسف میں ارشاد ہے:

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ

"اِس طرح ہم نے اپنی تدبیر سے یوسفؑ کی تائید کی (یعنی اس کے لئے اپنے بھائی کو روکنے کا ایک سبب بنا دیا) اُس (یوسف) کا کام یہ نہ تھا کہ بادشاہ کے دین (یعنی مصر کے شاہی قانون) میں اپنے بھائی کو پکڑ تا ـــــ اِلّا یہ کہ اللہ ہی ایسا چاہے!"

چنانچہ دیکھ لیجئے کہ بادشاہت کے پورے نظام کو جو بادشاہ کی حاکمیت کی بنیاد پر مصر میں رائج تھا "دین الملک" سے تعبیر کیا گیا۔

دین اللہ: اس وضاحت کو سامنے رکھ کر اب آخری پارے کی مختصر سی سورت "سورۃ النصر" کو اپنے سامنے لائیے:

اِذَا جَاۗءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ

دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا○

"جب اللہ کی مدد آگئی اور فتح نصیب ہوگئی اور (اے نبیؐ) آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔"

اس مقام پر جو "دین اللہ" کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے اس کو سمجھنا ضروری ہے کہ یہ دین اللہ کیا ہے؟ دین اللہ یہ ہے کہ صرف اللہ کو مطاع و حاکمِ مطلق اور مقننِ حقیقی تسلیم کر کے اسی کی جزا کی امید رکھتے ہوئے اور اسی کی سزا سے خوف کھاتے ہوئے، صرف اسی کے قانون، اسی کے ضابطے اور اسی کی عطا کردہ شریعت کے مطابق اپنے انفرادی و اجتماعی معاملات کو سرانجام دیا جائے۔ بالفاظ دیگر اپنی پوری زندگی میں صرف اور صرف اسی کی کامل اطاعت کو لازم کر لیا جائے۔ اسی رویّے اور طرزِ عمل کا نام ہے اللہ کے دین کے تحت زندگی گزارنا اور قرآن مجید میں اسی کا حکم بایں الفاظ دیا گیا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً "اے اہل ایمان (اللہ کی) اطاعت میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ!"

ہر دین غلبہ چاہتا ہے: از روئے قرآن "دین" کا جو تصور ہمارے سامنے آتا ہے اس سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ دین اپنی فطرت کے اعتبار سے اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ وہ دین درحقیقت دین ہے ہی نہیں جو غالب نہ ہو۔ چنانچہ انگریز کے دور میں جس دین کی اصل حکمرانی تھی وہ "دینِ انگریز" تھا۔ وائسرائے ہند کو تاجِ برطانیہ کے نمائندے کی حیثیت حاصل تھی اور مطاعِ مطلق برطانوی پارلیمان تھی۔ مسلمانوں کو نماز روزے کی اجازت تھی، لیکن دین اسلام غالب نہ تھا۔ اِس مفہوم کو علامہ اقبال نے یوں ادا کیا ہے۔

مُلّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

جدید ذہن "دین" کو "مذہب" کا مترادف سمجھتا ہے اور اسے ایک نجی (پرائیویٹ) معاملہ قرار دیتا ہے۔ بدقسمتی سے پوری دنیا میں اکثر و بیشتر، مذہب کا یہی تصور راسخ ہو گیا ہے۔ یہ تصور درست نہیں ہے۔ اسلام مذہب نہیں، بلکہ دین ہے۔ خود قرآن حکیم میں فرمایا گیا: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ــــ مذہب کے لفظ سے جو تصور ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ چند مابعد الطبیعات عقائد (Dogmas) کو مان لیا جائے اور ان عقائد

کے تحت چند مراسمِ عبودیت (Rituals) کی انجام دہی اور چند معاشرتی رسوم (Social Customs) کی پابندی کر لی جائے تو مذہب کا تقاضا پورا ہوگیا۔ مذہب کا تعلق واقعۃً انسان کی شخصی، ذاتی اور نجی زندگی ہی سے ہے۔ اس معنی میں اسلام مذہب ہے ہی نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ دین اسلام کی تعبیر کے لئے لفظ "مذہب" نہ کہیں قرآن مجید میں وارد ہوا ہے اور نہ ہی پورے کے پورے ذخیرۂ احادیث میں کہیں استعمال ہوا ہے۔ بلکہ ہر جگہ اصل اصطلاح "دین" ہی استعمال ہوئی ہے، جس کا وسیع تر مفہوم و مطلب میں بڑے شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکا ہوں۔ ہماری بول چال کے حوالے سے آپ اسے اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھنا چاہیں تو اس کے لئے ہماری زبان کی جدید اصطلاح "نظامِ حیات" ہے، جو ادائیگیٔ مفہوم کے اعتبار سے لفظ "دین" کے قریب ترین ہے۔

دینِ جمہور: "دین الملک" اور "دین اللہ" جیسی قرآنی اصطلاحات کے بعد اب "دینِ جمہور" کی اصطلاح پر غور کیجئے۔ موجودہ دور میں جب مذہب کو انسانی زندگی کا محض ایک نجی معاملہ بنا دیا گیا تو دین کے جامع تصور یعنی اس کے نظامِ حیات ہونے کے تصور کی جگہ خالی ہوگئی۔ اس خلا کو پر کرنے کے لئے آپ سے آپ دنیا میں اس تصور اور نظریے نے رواج پا کر قبولِ عام حاصل کر لیا کہ زندگی کے اجتماعی معاملات، اصول و ضوابط اور معاشرتی نظام "جمہور" خود اپنی رائے، اپنی مرضی، اپنی پسند و ناپسند اور اپنے تجربات و مشاہدات کے اعتبار سے طے کریں گے۔ جمہور یا ان کے نمائندے یہ فیصلہ کرنے کے مجاز ہوں گے کہ کیا جائز ہے اور کیا ناجائز، کیا صحیح ہے اور کیا غلط! ان کے لئے کسی آسمانی شریعت یا ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔ پارلیمان کی اکیاون فیصد اکثریت کو ہر بات کے فیصلے کا اختیارِ مطلق حاصل ہے۔ اسے حق حاصل ہے کہ دو مردوں کی شادی کے جواز کا قانون پاس کردے، جیسا کہ فی الواقع برطانوی پارلیمان نے کیا۔ وہ چاہے تو سڑکوں پر، پارکوں، کلبوں اور بازاروں میں، فلموں اور ڈراموں میں اور اسٹیج پر عریانی، مادر زاد برہنگی، حتیٰ کہ جنسی فعل تک کو جائز قرار دے دے، جیسا کہ بعض یورپی ممالک اور امریکی ریاستوں میں اس فحاشی پر کوئی قدغن نہیں ہے، بلکہ اس شیطانی عمل کو قانون کا تحفظ حاصل ہے۔ اسی طرح پارلیمان چاہے تو قمار بازی، سٹہ، لاٹری اور اسی قبیل کے منکرات

کو تفریح کا مقام دے کر انہیں قانونی طور پر جائز قرار دے دے' جیسا کہ فی الواقع دنیا کے اکثر ممالک نے کر رکھا ہے۔ شراب نوشی' جنسی بے راہ روی' زنا' عملِ قومِ لوط' عریانی' قمار بازی' غرضیکہ کوئی شیطانی عمل ایسا نہیں کہ جس کو سندِ جواز دینے کے لئے جمہور کے نمائندوں کی اکیاون فیصد اکثریت مجاز نہ ہو۔ قانون سازی اور حدود و تعزیرات کی تعیین کسی اخلاقی قدر اور آسمانی ہدایت کی پابند نہیں بلکہ اس کے لئے معیار جمہور کی پسند اور ناپسند ہے۔ انہیں اس میں ردّو بدل اور ترمیم و تنسیخ کا بھی پورا حق حاصل ہے۔ اس طرز فکر اور نظریے کے لئے ایک اصطلاح "سیکولرازم" یعنی لادینی نظام حیات وضع ہوئی اور آج اسی فکر کا ساری دنیا میں غلبہ ہے۔ یہاں تک کہ ہم پاکستانی بھی' جنہوں نے نظامِ اسلامی کے قیام کے لئے تحریک پاکستان چلائی تھی اور پاکستان قائم کیا تھا' اپنی روح کے اعتبار سے اسی نظام حیات کو اپنائے ہوئے ہیں۔ عملی طور پر چاہے ہم ابھی اس طرز فکر کی پوری نقالی نہ کر رہے ہوں لیکن فکری طور پر اسی نظریہ کا ہم پر کامل غلبہ واستیلاء ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی ہدایت اور شریعت سے آزاد یہ "جمہوریت" نہ صرف ایک لعنت ہے' بلکہ خدا سے بغاوت ہے' سراسر معصیت ہے' طغیان اور سرکشی ہے اور فکر سے لے کر عمل تک بالکلیہ کفر و شرک ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ جو دین اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل کیا تھا اور جو خاتم النبیین و المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تکمیل پذیر ہوا' اس کے نزول کا مقصد اس دین اللہ کا بالفعل قیام ہے۔ یعنی اللہ کا دین بالفعل قائم ہو اور تمام معاملات اس کے مطابق طے ہوں' تمام امور کا تصفیہ اسی کی روشنی میں کیا جائے۔ کسی شے کو حلال یا حرام اور جائز یا ناجائز قرار دینے کا مختار و مجاز صرف اور صرف اللہ کو تسلیم کیا جائے اور اس سے سرِ مو انحراف نہ کیا جائے۔

دین اور شریعت کا فرق

اِس موقع پر ایک اشکال آپ سے آپ ذہن میں آتا ہے کہ جہاں تک شریعت کا تعلق ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت اور تھی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور ہے۔ ان دونوں شریعتوں کا فرق تو ہمیں معلوم ہے' اس لئے کہ تورات

منحرف صورت میں ہی سہی ' موجود ہے اور قرآن مجید اور سنتِ رسولؐ بھی بتمام و کمال محفوظ ہے ۔ البتہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفے اور ان کی شریعتیں موجود نہیں ہیں ۔ لہٰذا شریعت محمدیؐ اور شریعت موسویؑ کے مابین فرق آج بھی تیقّن کے ساتھ سمجھا جاسکتا ہے۔ مثلاً نمازوں کی تعداد اور اوقات میں اور روزہ کے احکام میں فرق بہت واضح ہے ۔ پس معلوم ہوا کہ جو چیز مشترک ہے وہ کوئی اور چیز ہے اور جس میں باہمی فرق ہے وہ مختلف چیز ہے ۔ ان دونوں کے لئے دو مختلف اصطلاحات ہیں ۔ چنانچہ ایک کا نام "دین" اور دوسری کا نام "شریعت" ہے ۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء و رسل کا دین ایک ہی رہا ہے ۔ اس میں کسی دور میں بھی قطعاً کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ دین یہ ہے کہ عقیدہ توحید کے مقتضیات کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جائے ' اس کے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں کی تصدیق کی جائے' ملائکہ 'بعث بعد الموت ' حشر و نشر 'حساب و کتاب ' جزا و سزا اور جنت و دوزخ پر پختہ یقین رکھا جائے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاکمِ مطلق اور مقنّنِ حقیقی تسلیم کیا جائے ۔ جبکہ شریعت عملی زندگی کے احکام پر مشتمل ہوتی ہے ۔ چنانچہ حالات کے بدلنے' انسانی ذہن کے ارتقاء اور تہذیب و تمدن اور وسائل و ذرائع کی ترقی کے ساتھ ساتھ احکام شریعت میں تغیر و تبدل ہوتا رہا' تا آنکہ شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پایہ تکمیل کو پہنچی۔ لیکن جہاں تک دین کا تعلق ہے وہ ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے اور وہ "اسلام" ہے' ازروئے الفاظ قرآنی: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔۔۔ کہ دین تو اللہ کے نزدیک بس اسلام ہی ہے!

دین اور شریعت کے فرق کو آپ دورِ جدید کی دو اصطلاحوں کے حوالے سے سمجھ سکتے ہیں ۔ کسی بھی ملک کا ایک تو "اساسی دستور" ہوتا ہے ' جس میں یہ متعین ہوتا ہے کہ حاکم کون ہے ' حاکمیت (Sovereignty) کس کی ہے اور وہ حاکمیت کس طرح استعمال (Channelize) ہوگی ۔ حاکمیت کے تحت قانون بنانے کا طریقہ (Process) کیا ہوگا' وہ حاکمیت کیسے روبہ عمل (Exercise) ہوگی' قوانین میں ردوبدل کیسے ہوگا ' ملکی انتظام کیسے چلے گا ' عدلیہ اور انتظامیہ کے مختلف شعبوں کا باہمی ربط کیا ہوگا ' اور ایک دوسرے کے لئے احتساب و محاسبہ اور ان میں باہمی توازن (Checks And

Balances' کا نظام کیا ہوگا؟ اساسی دستور ان تمام مسائل پر محیط ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک کا دستور بناتے ہوئے اس امر کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس کی اساسی دفعات بہت پائیدار اور مستحکم ہوں۔ چونکہ ان میں بار بار کی تبدیلی مناسب نہیں ہوتی اس لئے اس میں تبدیلی کے طریق کار کو بڑا ہی مشکل رکھا جاتا ہے۔ لیکن اس اساسی دستور کے تحت جو قوانین بنتے رہتے ہیں ان کا معاملہ دوسرا ہے۔ تعزیرات علیحدہ لکھی جاتی اور طے کی جاتی ہیں' دیوانی اور فوجداری قوانین علیحدہ مدوّن کئے جاتے ہیں اور ان میں ملکی دستور کے تحت حسب ضرورت آسانی سے ردو بدل کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے ملک میں تو آرڈی نینسز (Ordinances) کے ذریعے سے بھی قوانین میں رد و بدل ہوجاتا ہے' لیکن جمہوری ممالک میں تو بہر حال یہ اختیار پارلیمنٹ کے پاس ہوتا ہے کہ وہ ۴۹ اور ۵۱ کے فرق سے قانون بنا بھی سکتی ہے اور اس میں ردو بدل بھی کرسکتی ہے۔ تو اس کو یوں سمجھئے کہ ہمارے دین کے نظام میں دستور کی جگہ تو "دین" کی اصطلاح ہے اور قانون کی جگہ "شریعت" کی اصطلاح ہے۔ دین اصل میں اس سے بحث کرتا ہے کہ مطاع کون ہے' حاکم کون ہے' حاکمیت کس کی ہے' قانون کس کا چلے گا' مرضی کس کی چلے گی اور وہ حاکمیت کس طرح روبہ عمل آئے گی؟ یعنی یہ کس کے واسطے سے ہوگی' حاکم مطلق کے نمائندے کی حیثیت کسے حاصل ہوگی؟ یہ تمام امور ہمیشہ سے طے شدہ ہیں اور ان میں کبھی کوئی فرق نہیں رہا کہ مطاعِ مطلق اور حاکمِ مطلق صرف اللہ ہے جو "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" کی شان کا حامل ہے۔ اس کی طرف سے ملنے والا ہر قانون واجب العمل ہے اور اسے لے کر آنے والے نمائندے اس کے رسول ہیں۔ اس کے قانون کی جو تعبیر (Interpretation) اس کا نمائندہ (یعنی رسولؐ) کرے اسے قبول کرنا اور اس کی روشنی میں اپنے معاملات طے کرنا لازمی ہے۔ جن معاملات میں قرآن و حدیث کی کوئی نصِّ قطعی موجود نہ ہو انہیں دین کی روح کے تحت باہمی مشاورت سے طے کیا جاسکتا ہے' لیکن جو حدود و قیود اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے عائد کردی گئی ہیں ان سے سرِمو ہٹنے یا اس میں ردو بدل کی اجازت نہیں ہے۔ یہ ہے آیت کے اس حصے کی شرح کہ:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى۔۔۔

اقامتِ دین کا حکم

آیت کے اگلے ٹکڑے میں اب وہ اصطلاح وارد ہو رہی ہے جو ہماری آج کی گفتگو کا عنوان ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ یہ سب کچھ تمہیں کس لئے دیا گیا ہے؟ کیا اس لئے کہ تم اللہ کی عطا کردہ کتابِ دستور کو محض حصولِ ثواب اور ایصالِ ثواب کا ذریعہ بنا لو؟ اس کا احترام بس اس طرح سے کر لو کہ اسے ریشمی جزدان میں لپیٹ کر رکھ لو اور ہاتھ سے گر جائے تو اس کے برابر اناج تول کر دے دو؟ کہیں کوئی تقریب ہو' چاہے وہ کسی سینما' کلب' بار' ناچ گھر یا ریس کورس کی افتتاحی تقریب ہو' تو اس کی تلاوت کر لو؟ معاذ اللہ' ایسا ہرگز نہیں! بلکہ یہ دین تو محض اس لئے دیا گیا ہے کہ:

اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ

"کہ اس دین کو قائم کرو اور اس باب میں تفرقہ کا شکار نہ ہو جاؤ!"

یہ دین اپنا نفاذ اور غلبہ چاہتا ہے۔ وہ دستور اور قانون بے معنی ہے جو کہیں نافذ نہیں۔ ہمارے ملک کے ۱۹۵۴ء اور ۱۹۵۶ء کے جو دستور رکھے ہوئے ہیں کیا وہ واقعی دستور کہلائے جا سکتے ہیں' جبکہ وہ نافذ ہی نہیں۔ یہ تو بس ہماری تاریخ کی یادگار بن کر رہ گئے ہیں۔ کوئی دستور صحیح معنوں میں اسی وقت دستور کہلا سکتا ہے جبکہ وہ نافذ بھی ہو۔ قانون اسی کو کہا جائے گا جس کے مطابق عدالتوں میں فیصلے ہو رہے ہوں۔

طرفہ تماشا

یہ عجب طرفہ تماشا ہے کہ دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں مسلمانوں کے نام سے جو قوم بس رہی ہے وہ دعویٰ تو اس بات کا کرتی ہے کہ اصل دستور اور قانون خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت ہے' لیکن یہ عجیب شترگربگی ہے کہ ان کا عمل اس دعویٰ کے بالکل برعکس ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کا عطا کردہ دستور و قانون ان کی عملی و اجتماعی زندگی میں کہیں نظر نہیں آتا۔ ان کے ہاں قرآن و سنت کے اوامر و نواہی کی سرے سے کوئی وقعت ہی نہیں' لہٰذا کوئی فیصلہ اس کے مطابق نہیں ہو پاتا۔ قرآن کا استعمال بس حصولِ ثواب اور ایصالِ ثواب کے لئے رہ گیا ہے' جبکہ وہ قرآن حکیم کے ضابطۂ حیات اور پوری زندگی کے لئے کامل ہدایت و رہنمائی ہونے کے دعویدار بھی ہیں۔

مسلمان قوم کے اس طرزِ عمل کو ایک اعجوبہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ سورۃ الرعد میں منکرینِ قیامت کا ایک اعتراض نقل کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ (آیت ۵)

یعنی اگر تعجب کرنا ہے تو تعجب کے قابل تو ان کی یہ بات ہے کہ آیا جب ہم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ پیدا کیا جائے گا!

لہٰذا اگر دنیا کو کسی بات پر تعجب کرنا چاہیے تو وہ ہمارا یہ طرزِ عمل ہے کہ ایک طرف تو ہم اس بات کے مدّعی ہیں کہ ہمارا دستور' ہمارا قانون اور ہمارا ضابطۂ حیات اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے اور ہر جہت اور ہر لحاظ سے کامل ہے' چنانچہ دنیا کے تمام قوانین و دساتیر سے افضل ترین ہے۔ پھر ہم یہ بھی برملا کہتے ہیں کہ اسی پر عمل پیرا ہونے سے دنیا و آخرت کی فوز و فلاح اور خیر و صلاح حاصل ہو سکتی ہے' لیکن دوسری طرف اس کامل ترین اور افضل ترین دستورِ حیات سے ہماری بے اعتنائی اور رُوگردانی بھی دنیا سے مخفی نہیں ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران یہ بھی کہا گیا تھا کہ "لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ پاکستان کا دستور کیا ہوگا؟ میں ان کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا دستور تو چودہ سو سال پہلے سے طے شدہ ہے!"—— لیکن عملاً جو کچھ اب تک ہوا اور جو ہو رہا ہے وہ دنیا کے سامنے ہے۔ اس سے زیادہ قابل تعجب بات کیا ہوگی کہ جو ملک اس اصول پر قائم ہوا تھا کہ اس کا دستور اور ضابطۂ حیات کتاب و سنّت ہوگا اس ملک میں پوری چوتھائی صدی بیت جانے کے بعد بھی اس دستور کی تنفیذ و نفاذ کا مرحلہ روزِ اوّل سے بھی بعید نظر آرہا ہے۔ ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو یہ معاملہ اتنا بعید نہیں تھا جتنا آج ہے' حالانکہ یہاں بستے سب مسلمان ہیں۔ سب کے سب قرآن حکیم پر ایمان کے مدّعی بھی ہیں اور اسے اپنا دستور' قانون اور ضابطہ حیات بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اسی قرآن میں ہمارے لئے یہ حکم موجود ہے کہ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ط

"اقامت" کا مفہوم

"اَقِیْمُوا الدِّیْنَ" کا ترجمہ "قائم کرنا" بھی کیا گیا ہے اور "قائم رکھنا" بھی۔ نتیجے کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر دین پہلے سے قائم اور غالب ہے تو

اس کو اس حالت پر برقرار رکھنا اقامتِ دین ہے۔ لیکن اگر دین بالفعل قائم نہیں ہے تو اسے دنیا میں قائم اور غالب کرنے کی جدّوجہد کرنا اقامتِ دین کا تقاضا ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک "اقامت" کا معنیٰ "سیدھا رکھنا" ہے' یعنی حکم دیا جارہا ہے کہ اس دین میں کجی نہ کرو' اس کی کسی چیز کو بدلو نہیں! تمہیں اس میں کسی کمی بیشی اور ترمیم کا اختیار حاصل نہیں' یہ دین تمہیں بطور امانت دیا گیا ہے اور اس کو جوں کا توں رکھنا تمہاری ذمہ داری ہے! ٹھیک ہے' "اقامت دین" کا ایک مفہوم یہ بھی ہے' لیکن سیدھی سی بات ہے کہ اسے جوں کا توں رکھنا کس مقصد کے لئے ہوگا؟ اسے صرف کتابوں میں محفوظ کرلینا یا صرف آثار قدیمہ کے طور پر محفوظ رکھنا تو مقصود نہیں ہے۔ اس کو محض اپنے نسلی عقیدے کے طور پر مقدس یادگار بنا کر تو نہیں رکھنا ہے۔ بلکہ اگر یہ دین زندگی کے معاملات سے متعلق ہے تو اس کی حفاظت بھی اس کو قائم کرنے کے لئے مقصود ہے' تاکہ تمام معاملات اللہ کی مرضی کے مطابق طے پائیں۔ چنانچہ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ" کا منشا و مفہوم یہ ہوگا کہ دین کو قائم کرو' اس کی ٹھیک ٹھیک حفاظت کرو' اور اپنے سارے معاملات اس کے مطابق طے کرو اور اس امر میں تمہارے مابین تفرقہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس میں اختلاف کی نہ کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی اجازت!

فقہی اختلافات' تفرقہ' نہیں

فقہی جزئیات اور فروعات میں حنفی اور شافعی یا دوسرے ائمہ فقہاء کی آراء میں کہیں فرق ہے تو یہ دین کا فرق نہیں' بلکہ صرف شریعت اور قانون کی تعبیر میں آراء کا فرق ہے۔ دین تو ہمیشہ سے ایک ہے اور ہمیشہ ایک رہے گا۔ اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا۔ اس بارے میں امام ابو حنیفہ' امام مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل اور امام بخاری رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے مابین اختلاف امر محال ہے۔ یہ اختلاف تو جملہ انبیاء و رسل کے مابین بھی نہیں بلکہ سب کا دین ایک ہی ہے اور یہ بات سب کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مطاعِ مطلق اور مالکِ حقیقی ہے۔ وہی اس کائنات کا خالق ہے اور حاکمیت کا حق بھی اسی کا ہے اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ۔ اور اِنِ الْحُکْمُ

اِلَّا لِلّٰہِ ـــــــ ہمارا کام اللہ کی اطاعت ہے اور یہ اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہے۔ اللہ کا عطا کردہ دستور و قانون ہم تک اس کے نبیؐ کی وساطت سے پہنچا ہے۔ چنانچہ ہمارا کلمہ دو اجزاء پر مشتمل ہے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ـــ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" رسولؐ کی حیثیت اللہ کے نمائندے اور اس کے بندوں کے درمیان رابطے کی ہے۔ چنانچہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسولؐ کی اطاعت کو بھی لازم قرار دیا گیا ہے: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ـــ پس اس معاملہ میں سرے سے کسی اختلاف کی گنجائش نہیں' اس میں تفرقہ ڈالنے' اس کے بارے میں اختلاف کا شکار ہونے اور اس میں اپنی رائے سے جداگانہ راہیں نکالنے سے یہ کہہ کر منع فرما دیا گیا کہ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ؕ

دینِ حق کا قیام مشرکین پر بھاری ہے

اس کے بعد یہ بات فرمائی گئی:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ

"(اے نبیؐ) مشرکوں پر یہ بات بہت بھاری ہے جس کی آپ انہیں دعوت دے رہے ہیں!"

مکی سورتوں کے عام اسلوب کے مطابق یہاں پر خطاب اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے' لیکن درحقیقت ہر دور کے مسلمان اس کے مخاطب ہیں' جو اس دعوت کے داعی بن کر کھڑے ہوجائیں۔ چنانچہ آنحضورؐ کے نقشِ قدم پر چلنے والے داعیانِ دین اور علمبردارانِ حق سب ہی اس کے مخاطب ہیں۔ یہاں یہ حقیقت واضح کی جارہی ہے کہ کلمۂ توحید' جو تمہاری دعوت کی بنیاد ہے' بظاہر بڑا ہی بے ضرر سا کلمہ ہے' لیکن اس کے جو لوازم ہیں' اس کے جو متضمنات و مقتضیات ہیں ان کو وہ لوگ خوب سمجھتے ہیں جو شرک پر کاربند ہیں۔ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ اس "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کی ضرب ان کے مفادات پر کہاں کہاں پڑے گی۔ ایک سادہ لوح مسلمان کے علم میں شاید یہ بات نہ ہو کہ توحید کی زد کہاں کہاں پڑ رہی ہے لیکن مشرکین اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ لہٰذا ان کے لئے یہ دعوت بہت بھاری ہے اور وہ ٹھنڈے پیٹوں یہ کبھی برداشت نہیں کرسکتے کہ اللہ کا دین قائم اور غالب ہو۔

نظامِ شرک

اِس موضوع پر مفصّل گفتگو تو قرآن حکیم کے منتخب نصاب میں سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع اور سورۃ الحج کے آخری رکوع کے درسوں کے ضمن میں ہوتی ہے۔ یہاں مختصر طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ شرک کی دُنیا میں ہمیشہ دو نظام رہے ہیں' ایک سیاسی استحصال' اور دوسرا معاشی استحصال ـــــ اور ان دونوں استحصالی نظاموں نے ہمیشہ مذہب اور دھرم کا لبادہ اوڑھے رکھا ہے۔

سیاسی شرک: اس کی ایک صورت تو یہ رہی ہے کہ کوئی انسان خود خدائی کا دعویدار بن بیٹھے کہ مرضی میری چلے گی' میں نہیں جانتا کہ خدا کا کیا حکم ہے اور رسول کیا کہتا ہے' اقتدار کا مالک میں ہوں لہٰذا حکم صرف میرا چلے گا! اس سیاسی شرک کا نام ملوکیت اور آمریت ہے جس پر کسی قدر گفتگو "دین الملک" کی بحث میں ہو چکی۔ اس کی بد ترین مثال فرعون اور نمرود نے قائم کی۔ سیاسی شرک کی دوسری صورت' جو موجودہ دور میں بہت عام ہے' یہ ہے کہ کسی ملک کے عوام اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ اعلیٰ کا انکار کردیں اور یہ کہیں کہ خدا اور رسول کو ماننا ایک نجی معاملہ ہے۔ جو انہیں مانتے ہیں وہ مسجدوں' مندروں اور کلیساؤں میں ان کا حکم چلا لیں' باقی رہا ملک کا قانون تو وہ عوام کی اکثریت کی مرضی کے مطابق بننا چاہیے۔ اس کا نام ہے جمہوریت' جس پر میں "دین جمہور" کے ضمن میں کچھ روشنی ڈال چکا ہوں۔ یہ جمہوریت بھی اسی طرح کا بد ترین شرک ہے جس طرح ملوکیت اور آمریت ہے۔ سیاسی شرک کی تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کوئی ایک قوم حکومت کی مدّعی بن کر دوسری قوم کو محکوم بنا لے کہ ہم تمہارے آقا ہیں' لہٰذا مرضی ہماری چلے گی۔ جیسے انگریز قوم نے ہمیں اپنا محکوم بنا کر ہمارے ساتھ یہ طرزِ عمل روا رکھا تھا۔ انہوں نے بس اس قدر مذہبی آزادی دے رکھی تھی کہ ہم نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج اپنے دین کے مطابق کر لیں' لیکن ملکی قانون (Law of the Land) ان کا تھا۔ مرضی اور پسند تاجِ برطانیہ کی چلتی تھی اور وائسرائے ہند اس کا نمائندہ تھا۔ گویا تاجِ برطانیہ "الٰہ" تھا اور وائسرائے اس کا "رسول" تھا۔ یہ سیاسی شرک کی تیسری صورت ہے۔ چنانچہ سیاسی طور پر کوئی آمر' کوئی بادشاہ' یا کوئی قوم حاکمیت کے مقام پر فائز ہو جائے

اور ملک کے تمام معاشی ذرائع و وسائل اور تمام قومی دولت کو اپنی مرضی اور پسند کے مطابق استعمال کرے تو یہ سیاسی شرک ہے۔

مذہبی شرک: یہ سیاسی شرک ہی کی ایک عظیم فرع ہے' جس کو اچھی طرح جان لینا ضروری ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ چند بڑے ہوشیار اور چالاک لوگ دیوی اور دیوتاؤں کے نام پر استھان اور مندر بنا کر یا اولیاء و صلحاء کے نام پر مقبرے' تکیے اور درگاہیں بنا کر بیٹھ جاتے ہیں تاکہ ان کے نام پر جو نذرانے آئیں' نذریں اور نیازیں چڑھائی جائیں ان سے ان کے حلوے مانڈے چلتے رہیں اور خواہشاتِ نفس پوری ہوتی رہیں۔ وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ ہمیں خوش کرو گے تو یہ دیوی دیوتا تم سے راضی ہوجائیں گے اور یہ بزرگ تمہاری طرف متوجہ ہوجائیں گے۔ اس طرح تمہاری دنیوی مرادیں بھی بر آئیں گی اور خدا بھی تم سے خوش ہوجائے گا۔

یہ در حقیقت انسانوں کا خون چوسنے کے سیاسی اور مذہبی طریقے ہیں جو ہمیشہ سے دنیا میں جاری رہے ہیں۔ ایک طرف بادشاہ لوگوں کی گردنوں پر مسلط ہو کر ان سے خراج وصول کرتے رہے ہیں اور دوسری طرف اس طرح کے چالاک اور ہوشیار لوگ مذہب کے نام پر لوگوں کو بیوقوف بنا کر ان سے نذرانے وصول کرتے آرہے ہیں۔ یہ لوگ کیسے برداشت کرلیں گے کہ اللہ کی توحید کا شہرہ ہو اور توحید باری تعالیٰ پر مبنی نظامِ عدلِ اجتماعی قائم ہوجائے۔ اسی لئے فرمایا گیا: كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ کہ مشرکوں پر وہ چیز بہت بھاری ہے جس کی دعوت (اے نبیؐ) آپ انہیں دیتے ہیں!

سیاسی اور مذہبی مشرکین میں تعاون: مشرکین صرف خود ہی شرک نہیں کرتے بلکہ نظامِ شرک کے استحکام کے لئے ایک دوسرے سے بھرپور تعاون (Joint Hand) بھی کرتے ہیں۔ مشرک آپس میں ایک دوسرے کے ساتھی بن جاتے ہیں اور ایک شرک دوسرے شرک کو انگیز بھی کرتا ہے' لیکن اہل شرک توحید کو کبھی برداشت نہیں کرتے۔ ان کا باہمی گٹھ جوڑ ہوتا ہے کہ کوئی سورج دیوتا کا مندر بنالے' کوئی چاند دیوتا کا اور کوئی خود خدائی کا یا خدا کے اوتار ہونے کا دعویٰ کرے اور "نِصفٌ لی و نصفٌ لک هذا قومٌ جاهلون" کے مصداق دونوں طرف سے لوگوں کو بے وقوف بنا کر لوٹا جائے۔ چنانچہ بے چارے عوام الناس ایک طرف تو بادشاہ کو ٹیکس اور خراج ادا کرتے

ہیں اور دوسری طرف پنڈت، پروہت، پوپ، پجاری اور پیر صاحب ان سے اپنے نذرانے وصول کرتے ہیں۔ دونوں طرف سے تعاون اور خیر سگالی کے طور پر ایک دوسرے کی مدح بھی کی جاتی ہے۔ بادشاہ کی طرف سے ان مذہبی پیشواؤں کو خطابات سے نوازا جاتا ہے اور ان کی طرف سے بادشاہ کو خطابات و القاب دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ پوپ کی طرف سے "بادشاہ کے مقدس حقِ حکمرانی" (Divine Right of the King) کو تسلیم کیا جاتا ہے اور وہ پوپ کے تقدس کے اظہار کے لئے اسے "His Holiness" جیسے بڑے بڑے القاب سے نوازتا ہے۔ پروہت اور پنڈت، حکمرانوں کا سلسلۂ نسب دیوی دیوتاؤں سے قائم رکھتے ہیں اور بادشاہ سلامت اپنی اطاعت کے ساتھ ان پنڈتوں، پجاریوں اور پروہتوں کی اہمیت لوگوں کے دلوں میں راسخ کرتے ہیں۔ غرضیکہ شرک کے یہ دونوں نظام باہمی گٹھ جوڑ سے ایک دوسرے کو قوت فراہم کرتے ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کوئی بھی توحید کو کسی صورت برداشت نہیں کرسکتا کیونکہ اس سے ان کی زرگری کی جڑ کٹتی ہے، مفادات ختم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ توحید کی دعوت مشرکین پر بہت بھاری اور گراں گزرتی ہے

مصلح اور رسول کی دعوت کا فرق

یہاں یہ بات بھی وضاحت سے سمجھ لیجئے کہ ایک رسول اور مصلح کی دعوت میں بڑا بنیادی فرق ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص صرف واعظ اور معلّمِ اخلاق بن کر کھڑا ہو تو اس کی بات لوگوں پر اتنی گراں نہیں گزرتی جتنی اُس شخص کی بات جو اس بات کا داعی بن کر اٹھے کہ میں اس پورے نظامِ باطل کو، جو غیراللہ کی اطاعت پر قائم ہے اور جس کی اساس شرک پر ہے، بالکل نیست و نابود کردوں گا اور اللہ کی اطاعت پر مبنی نظام قائم کروں گا۔ یہ دعوت ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کی جاتی۔ اس لئے کہ غیراللہ کی اطاعت اور مشرکانہ بنیادوں پر قائم نظامِ باطل سے کچھ لوگوں کے سیاسی و معاشی مفادات اور مصلحتیں وابستہ ہوتی ہیں۔ وہ پیچ در پیچ ایسے بندھنوں میں بندھے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان کو اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر یہ نظام تلپٹ ہوا تو یہ سب کچھ بدل جائے گا، بہت سے اوپر والے نیچے اور نیچے والے اوپر ہوجائیں گے۔ اس طرح ہمارے مفادات پر ضرب پڑے گی اور ہماری

سیاست و چودھراہٹ ختم ہوجائے گی، ہمارا وقار اور احترام خاک میں مل جائے گا، ہمارا اعتماد جاتا رہے گا۔ اس لئے توحید پر مبنی اسلام کے عادلانہ نظامِ اجتماعی کے قیام کی دعوت مشرکانہ نظام کے مقتدروں، سرداروں اور مہنتوں کو کبھی برداشت نہیں ہوسکتی۔ البتہ اگر آپ کسی جزوی اصلاح کی دعوت لے کر اٹھیں، ریفارمر کی حیثیت اختیار کریں یا دین کی محض وہ باتیں پیش کریں جن سے کسی کے مفاد پر زد نہ پڑتی ہو تو پھر آپ کی کسی طرف سے کوئی مخالفت نہیں ہوگی۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو پھولوں کے ہار پہنائے جائیں، آپ کا شاندار استقبال کیا جائے اور آپ کی خدمت میں سپاسنامے پیش کئے جائیں۔

اہل ایمان کو تسلی

آگے فرمایا:

اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ○

"اللہ جسے چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور اپنی طرف (یعنی اپنے دین پر) آنے کا راستہ اس پر کھول دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔"

آیتِ کریمہ کے اس ٹکڑے کے پس منظر میں اس پوری کشمکش اور پورے تصادم کی جھلک نظر آتی ہے جو اقامتِ دین کی جدّوجہد کے سلسلے میں اللہ کے نبیؐ اور مشرکین کے درمیان چل رہا ہے۔ مشرکین کو کسی درجہ میں یہ گوارا نہیں کہ یہ مشرکانہ نظام ختم ہوجائے اور پوری کی پوری زندگی ایک اللہ کی اطاعت کے نظام کے تحت آجائے۔ چنانچہ وہ مزاحمت اور مخالفت پر کمربستہ ہیں اور ان کی دن رات یہ کوشش ہے کہ دین حق کا یہ چراغ گُل کردیا جائے۔ ان انتہائی مایوس کن حالات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اس شدید مزاحمت و مخالفت اور تشدد سے دل برداشتہ نہ ہوں، اللہ تعالیٰ یقیناً راستہ کھولے گا اور بہت سے لوگوں کو، جنہیں وہ چاہے گا، اپنے دین کی طرف کھینچ لے گا۔ اس کے علاوہ جن لوگوں میں ذرا بھی اِنابت ہے، جو حق کے طالب اور جو یا ہیں، ان کو بھی راہِ ہدایت سے بہرہ مند فرمائے گا۔ اس اجتباء اور ہدایت الی اللہ کی جھلک مسلمان ان آیات کے نزول سے پہلے دیکھ چکے تھے اور اس کے بعد بھی اس کے مناظر ان کے سامنے آتے رہے۔

"اجتباء" کی مثالیں

اجتباء کا صحیح مفہوم ہے کسی کو کسی مقصد کے لئے پسند کر لینا، چن لینا اور کھینچ لینا۔ یہاں جو فرمایا گیا اَللّٰہُ یَجْتَبِی اِلَیْہِ مَنْ یَّشَاءُ (اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے!) اس مفہوم کو یوں بھی ادا کیا جاسکتا ہے: "اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے دین کی خدمت کے لئے پسند کر لیتا ہے، چن لیتا ہے!" اس اجتباء کی دو درخشاں مثالیں ملاحظہ ہوں:

پہلی مثال حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کا قبولِ اسلام ہے۔ آنجنابؓ توحید و شرک کی کشمکش سے بے نیاز روز و شب اپنے مشاغل میں مصروف رہتے تھے، جن میں سب سے زیادہ نمایاں شوق تیراندازی اور شکار کا تھا۔ علی الصّبح تیر کمان لے کر شکار کو نکل جانا اور شام کو واپس آنا ان کا معمول تھا۔ ایک روز ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادتی کی اور یہ زیادتیاں اُس وقت اس کے معمول میں شامل ہو چکی تھیں۔ شام کو واپس لوٹے تو ان کی ایک لونڈی نے انہیں اس زیادتی کا ماجرا سنایا۔ قرابت داری کے جذبے نے جوش کھایا اور اسی وقت جا کر اپنی کمان ابوجہل کے سر پر دے ماری۔ یہی جذبہ ان کے مشرف بہ اسلام ہونے کا ذریعہ بن گیا اور حمزہ ابن عبدالمطلب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثاروں میں شامل ہو گئے۔ آپؐ بارگاہِ نبویؐ سے "اَسَدُ اللّٰہ و اَسَدُ رَسولہٖ" اور "سیّد الشہداء" کے القابات سے سرفراز ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

دوسری درخشاں مثال حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو اشخاص کے متعلق یہ دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ! عمر ابن الخطاب یا عَمرو ابن ہشام (ابوجہل) میں سے کسی ایک کو شرفِ قبولیت عطا فرما! اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کو چن لیا اور وہ عمرِ فاروقؓ بن گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔۔۔ اسلام قبول کرنے سے قبل ان کی طبیعت میں غور و فکر کا کوئی مادہ، تلاشِ حق کا کوئی داعیہ یا کوئی ایسی علامت دکھائی نہ دیتی تھی جو اس بات کی نشان دہی کرتی ہو کہ وہ خود سیدھی اور سچی راہ کے جویا تھے۔ بلکہ طبیعت میں لاابالی پن اور بے پرواہی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ حق دیتے

ہوئے چھ برس گزر چکے تھے مگر ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگی ' بلکہ اس کے برعکس ان کے اندر تعصب سخت سے سخت تر ہوتا چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت اور آپؐ کی دعوت سے بیزاری بڑھتی چلی گئی ۔ یہاں تک کہ ننگی تلوار لے کر آنحضرتؐ کے قتل کے ارادے سے گھر سے نکل کھڑے ہوئے ۔ لیکن ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور ایسے حالات پیدا فرمادیئے کہ پتھر دل موم ہوگیا۔ وہ عمرؓ جو نبی اکرمؐ کے قتل کے ارادے سے گھر سے نکلے تھے غلامانِ محمدؐ میں شامل ہوگئے اور ان کی یہ شان قرار پائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لو کان بعدی نبیٌّ لکان عمرَ بنَ الخطّاب** "کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن الخطاب ہوتے! (رواہ الترمذی' عن عقبہ بن عامرؓ) --- تو یہ ہے اجتباء۔

بیعتِ عقبہ اولیٰ کے موقع پر یثرب (مدینہ) سے مکہ آنے والوں میں سے کچھ سعید روحوں کو اللہ تعالیٰ نے دولتِ اسلام سے مشرف کردیا' وہ بھی ایک نوعیت کا اجتباء ہے۔ یہ لوگ جاہلیت کے رسم و رواج کے تحت حج اور عمرہ کے لئے مکہ آئے تھے اور کوئی طلبِ ہدایت اور تلاشِ حق ان کے پیش نظر نہ تھی ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے قبولِ ایمان کے لئے کھول دیئے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے متأثر ہو کر مومنینِ صادقین کے زمرے میں شامل ہوگئے ۔ ان حضرات گرامی کی یہ بیعت ہی یثرب کے مدینۃ النبیؐ بننے اور دار الہجرت قرار پانے کی تمہید بن گئی ---- رضی اللہ عنہم و ارضاہم۔

ہدایت کا حقدار کون؟

دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا ایک قاعدہ اور بھی ہے ۔ وہ یہ کہ جو بھی حق کا متلاشی ہوگا' جس کے دل میں بھی انابت ہوگی اس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کا راستہ ضرور دکھادے گا اس میں "پسند" کا معاملہ نہیں رکھا' بلکہ فرمایا: **يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ تُنِيْبُ** "کہ جس میں حق کی سچی طلب ہو' جو بھی انابت کی روش اختیار کرے' اس پر ہدایت کی راہ کھول دی جاتی ہے۔ اسی قاعدے کو سورۃ العنکبوت کے آخر میں یوں بیان فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا کہ وہ لوگ جو ہماری راہ میں مشقتیں

اٹھاتے ہیں ' جن میں حق کی طلب اور جستجو ہوتی ہے تو ہم لازماً ان کے لئے اپنے راستے کھولتے چلے جائیں گے! پس معلوم ہوا کہ جن میں انابت ہوتی ہے ' جو کسی تعصب اور عصبیت میں مبتلا نہیں ہوتے ' جن کے دلوں میں حق کی سچی طلب ہوتی ہے ' جن کی فطرت سلیم ہوتی ہے ' جو چاہتے ہیں کہ ان پر حق منکشف ہو تو اللہ تعالیٰ ان کو سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔

شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں ' بد سے بد تر نظام اور خراب سے خراب تر ماحول میں بھی ایسی سعید روحیں موجود ہوتی ہیں جن کی قلبی کیفیت کو سورۂ آل عمران میں ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا:

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا

" اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک پکارنے والے کی دعوت کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ ' پس ہم ایمان لے آئے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کی سب سے درخشاں مثال ہیں۔ وہ اپنی فطرتِ سلیمہ اور طلبِ حق کی بنیاد پر صدیقِ اکبر کے ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ حضرت علی ' حضرت عثمان ' حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح ' حضرت سعید ابن زید ' حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف ' حضرت طلحہ ' حضرت زبیر ابن العوام اور حضرت سعد ابن ابی وقاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) جو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں ' اسی انابت الی اللہ کے طفیل سے دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے ہیں۔ تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ ہر دور میں ایسی سعید روحیں موجود ہوتی ہیں جو حق کی متلاشی ہوتی ہیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے واقعے پر غور کیجئے۔ طلبِ حق میں کہاں سے روانہ ہوئے ' کن کن منزلوں پر ٹھہرے اور پھر کس طرح منزل مقصود تک پہنچے۔ اسی طرح طالبانِ حق کہاں کہاں سے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے ـــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم اجمعین!!

(جاری ہے)

کتابیات

پانچواں کبیرہ

یتیم کا مال ہضم کرنا

زیرِ طبع کتاب 'کبائر' کے باب دوم کی فصل خامس

مؤلف: ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

کوئی بھی معاشرہ جس کے اندر ذرا سی بھی انسانیت زندہ ہو کمزور، لاچار اور محتاج افراد کے لیے بے پناہ ہمدردی اور تعاون کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور پھر اسلامی معاشرہ جس کی بنیاد ہی خیر خواہی، شفقت اور ایثار پر رکھی گئی ہے فی الواقع ہر کمزور کے لیے "دارالامان" ہے اور پھر یتیم جیسا "بے بس اور ناتواں" فردِ انسانیت سب سے زیادہ اہتمام، عنایت، شفقت اور ہمدردی کا مستحق ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ فِی الْجَنَّةِ هٰکَذَا" وَاَشَارَ بِالسَّبَابَةِ وَالْوُسْطٰی وَ فَرَّجَ بَیْنَهُمَا۔[1]

"میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت والی انگلی اور ساتھ والی درمیانی انگلی سے اشارہ کیا اور دونوں کے درمیانی تھوڑی سی کشادگی فرمائی (یعنی دونوں انگلیاں سٹی ہوئی نہیں تھیں۔)

ایک دوسرے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کَافِلُ الْیَتِیْمِ لَهٗ اَوْ لِغَیْرِهٖ اَنَا وَهُوَ کَهَاتَیْنِ فِی الْجَنَّةِ" وَاَشَارَ بِالسَّبَابَةِ وَالْوُسْطٰی[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من یعول یتیمین۔ سنن الترمذی کتاب البر والصلۃ، باب کفالۃ الیتیم۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فیمن ضم الیتیم۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقائق، باب الاحسان الی الارملۃ والمسکین والیتیم۔

میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا ان دو انگلیوں کی طرح جنت میں اکٹھے ہوں گے۔" آپؐ نے درمیانی اور شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ فرمایا۔ "یتیم خواہ اس کے اپنے خاندان کا ہو یا کسی دوسرے خاندان کا۔"

جس طرح یتیم کی پرورش، اس کی نگہداشت اور اس کے ساتھ حسن معاملہ عظیم نیکی ہے، اس طرح اس کے ساتھ ظلم، زیادتی اور اس کے مال پر ہاتھ صاف کرنا انتہائی گھٹیا حرکت اور آخرت کی شدید باز پرس کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا[1]

"جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کے مال کھاتے ہیں، درحقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں، وہ ضرور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ یتیم ہضم کر لینے کو انتہائی ہلاکت خیز گناہوں میں شمار کرتے ہوئے فرمایا:

"اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ"، قِیْلَ وَمَا هُنَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَ.....وَ.....وَاَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ..." الخ[2]

"سات ہلاکت خیز گناہوں سے دُور رہو۔" کسی نے دریافت کیا: وہ کون کون سے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ..... اور ..... اور یتیم کا مال کھانا اور ....."

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بڑے گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"هُنَّ تِسْعٌ: اشراك بالله و.....و.....واَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ....."[3]

چونکہ یتیم کا معاملہ بڑا نازک اور اس کے مال کا غلط استعمال انتہائی خطرناک ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے

---

[1] سورت النساء آیت ۱۰۔

[2] صحیح بخاری و صحیح مسلم بمکمل الفاظ اور تخریج حدیث گزر چکی ہے۔ (حاشیہ ۲ اگلے صفحے پر)

صرف اس شرط کے ساتھ مالِ یتیم کے قریب ہونے کی اجازت بخشی ہے کہ انسان اسے عمدہ طریقے سے استعمال کرے یعنی کاروبار میں لگا کر اسے بڑھائے اور فی الواقع یتیموں کو فائدہ پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ [1]

"مالِ یتیم کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو، یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے"۔

اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو بطورِ خاص نصیحت فرمائی ہے جو انتظامی معاملات کی صلاحیت اور تجربہ نہیں رکھتے کہ وہ مالِ یتیم کے قریب نہ جائیں اور نہ ہی اس کی سرپرستی قبول کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

يَا أَبَاذَر! إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا وَإِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي لَا تَأَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ الْيَتِيمِ [2]

"اے ابوذر میرے خیال میں تم کمزور آدمی ہو، اور میں جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہوں وہی چیز تمہارے لیے بھی پسند کرتا ہوں۔ دیکھ کبھی دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا، اور نہ کبھی مالِ یتیم کی ذمہ داری قبول کرنا"۔

نوٹ: یہاں "کمزور آدمی" سے مراد انتظامی کمزوری یا تجربے کی کمی ہے ایمان یا ایمانداری کی کمزوری قطعاً مراد نہیں ہو سکتی، کیونکہ اگر حضرت ابوذرؓ جیسا جلیل القدر صحابی بھی کمزور ایمان ہو تو پھر اُمت میں صاحبِ ایمان کون ہوگا؟ رضی اللہ عنہ وعن جمیع الصحابۃ۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ ۳) سنن ابی داؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی التشدید فی اکل مال الیتیم۔ سنن النسائی، کتاب تحریم الدم، باب ذکر الکبائر۔ المستدرک للحاکم، کتاب الایمان، باب الکبائر تسع۔ استاذ الالبانی نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے ملاحظہ ہو ارواء الغلیل حدیث ۶۹۰۔

[1] سورت الانعام، آیت ۱۵۲۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الامارہ، باب کراہۃ الامارہ بغیر ضرورۃ۔ سنن ابی داؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی الدخول فی الوصایا۔ سنن النسائی، کتاب الوصایا، باب النہی عن الولایۃ علی مال الیتیم۔

رفقاءِ تنظیم کے لیے امیرِ تنظیمِ اسلامی کی جانب سے

چند اہم ہدایات، مشورے اور بعض علمی و عملی تحفے

تنظیمِ اسلامی کے سترہویں سالانہ اجتماع میں امیرِ تنظیم کا اختتامی خطاب

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم ○ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم ○
مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّۃَ فَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ جَمِیْعًا اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الْعَمَلُ
الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ وَ الَّذِیْنَ یَمْکُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَ مَکْرُ اُولٰٓئِکَ ھُوَ
یَبُوْرُ ○ صدق اللّٰہ العظیم

حمد و ثنا، سورۃ الفاطر کی آیت نمبر ۱۰ کی تلاوت اور ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا کہ ہم سب کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہمارا سترہواں سالانہ اجتماع بحیثیتِ مجموعی خیرو خوبی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ میں نے 'بحیثیتِ مجموعی' کے الفاظ اس لئے استعمال کئے ہیں کہ یقیناً کچھ نہ کچھ کوتاہیاں ضرور رہی ہوں گی اگرچہ اس مرتبہ میرے علم میں وہ کم آئی ہیں، لیکن اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس بھرپور طریقے سے میں پہلے اجتماع میں شریک رہا کرتا تھا' اس مرتبہ اس طرح شریک نہیں رہ سکا۔ بہر حال جو بھی کوتاہی یا خامی میرے عذر کی وجہ سے ہوئی اس کی میں پہلے بھی معذرت کر چکا ہوں' اب چاہتا ہوں کہ جو کوتاہیاں منتظمین اور ذمہ دار حضرات سے ہوئی ہوں ان کو آپ شعوری طور پر معاف کر کے اٹھیں اور اپنے دلوں کو صاف کر کے یہاں سے واپس جائیں۔

اس سال کا علمی ہدیہ

میرا یہ معمول رہا ہے کہ اپنے آخری خطاب میں میں ضرور کوئی نہ کوئی علمی اور دینی ہدیہ یا تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ آج کے لئے میں نے سورۂ

فاطر کی ایک آیت منتخب کی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے بعض پہلوؤں پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالوں۔

ارشاد ربانی ہے: "مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا" یعنی جو کوئی بھی عزت کا طالب ہو اسے جان لینا چاہیے کہ عزت کل کی کل اللہ کے لئے ہے۔ اس میں ایک اعتبار سے غیر اللہ کیلئے عزت کی نفیِ کُلّی ہو رہی ہے' لیکن ایک اور جگہ اس کا اثبات بھی ہوتا ہے۔ میرا اشارہ سورۂ منافقون کے ان الفاظ کی جانب ہے جن کا تذکرہ بعد میں ہوگا۔

اسی قسم کے نفی اور اثبات کی ایک اور مثال بھی ہے' قرآن حکیم کی سورۂ آل عمران کی آیت ۱۵۴ میں کہا گیا کہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں "هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ" یعنی امر اور فیصلوں میں ہمارا بھی کوئی حصہ یا اختیار ہے کہ نہیں؟۔ کہہ دیجئے "قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ" امر تو کُل کا کُل اللہ ہی کے لئے ہے' تمہارا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آپ دیکھتے ہیں کہ سورۂ شوریٰ کی آیت ۳۸ میں فرمایا گیا" وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" یعنی ان کا امر ان کی باہمی مشاورت سے طے ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ کلی نفی بھی ہے اور ایک جگہ استثناء بھی موجود ہے۔ چنانچہ اولی الامر بھی ہیں اور ان کو بھی اطاعت میں شامل کر لیا گیا ہے: "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ" لیکن حقیقت کے اعتبار سے اختیارِ مطلق اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے' جو فیصلہ وہ کردے اس کو بدلنے والا کوئی نہیں' تاہم اس کے فیصلے کے تابع امر کا اختیار دوسروں کے لئے بھی ہوگا۔ بالکل یہی معاملہ عزت کا ہے۔ یہاں تو عزت کی نفی کردی گئی کہ جو کوئی بھی عزت کا طالب ہے وہ جان لے کہ عزت کل کی کل اللہ کے لئے ہے لیکن دوسری طرف سورۃ المنافقون کی آیت نمبر ۸ میں فرمایا" وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ" یعنی عزت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور اہل ایمان کے لئے۔

جب خلافت علی منہاج النبوۃ کا عالمی نظام قائم ہوگا تو ہر شخص کو اسلام تو قبول کرنا پڑے گا یا اعزاز کے ساتھ یا توہین و تذلیل کے ساتھ' چنانچہ حدیث میں آیا کہ "بِعِزِّ عَزِيْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِيْلٍ" اگر وہ اسلام قبول کرلے گا اور ایمان لے آئے گا تو اس

کے گھر میں اسلام اس کے اعزاز کے ساتھ داخل ہوگا، اگر نہیں قبول کرے گا تب بھی اسے ذمی کی حیثیت سے اسلام کی بالادستی کو قبول کرنا ہوگا۔ گویا کہ اس کے گھر میں بھی اسلام داخل تو ہوجائے گا لیکن وہ خود اس کے اعزاز سے محروم رہے گا۔

امنگ اور ولولہ دین کے لئے

یہاں انگریزی کے ایک لفظ Ambition کو ذہن میں لایئے یعنی امنگ، ولولہ، کسی شے کے حصول کی پرجوش خواہش۔ یہ Ambition کوئی بری چیز نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں میں امنگ نہیں ہوتی وہ دنیا میں کوئی کام نہیں کرسکتے۔ وہ دنیا میں بھی پیچھے رہتے ہیں اور دین میں بھی پیچھے رہتے ہیں۔ گویا امنگ اور ولولہ مطلوب شے ہے۔ دنیا میں کوئی مؤثر کام وہی لوگ کرسکتے ہیں جن میں کوئی امنگ ہو۔ دین نے بھی صرف امنگ کی سمت کو بدلا ہے، چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے۔ وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ" بھلائیوں، نیکیوں اور خیرات کیلئے دوڑ لگاؤ، ایک دوسرے سے آگے نکلو، دنیا کے حصول میں نہیں۔ اسی طرح حکم آیا "سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ" دوڑو، ایک دوسرے سے آگے نکلو اور اپنے رب کی مغفرت کے حصول میں بازی لے جانے کی کوشش کرو۔ گویا Ambitions ہماری قوت کار اور توانائی کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہیں۔ جن لوگوں میں امنگ نہیں ہوتی وہ تو محض پیچھے چلنے والے ہوتے ہیں، آگے نہیں نکلتے۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ زندگی نہیں گزارتے بلکہ زندگی انہیں گزارتی ہے۔ Ambitions تو درکار ہیں لیکن ان کا رخ دنیا کی طرف نہ ہو۔ بندہ طالبِ عقبیٰ بنے بلکہ طالبِ مولیٰ بنے، اللہ کا طالب بنے، دنیا کا طالب نہ ہو۔

ہمارے صوفیائے کرام اور خاص طور پر حضرت شاہ ولی اللہؒ انسانی نفسیات کے بہت بڑے ماہر تھے۔ ہمارا جدید دور کا علمِ نفسیات تو محدود ہے کیونکہ وہ صرف حیوانی نفسیات سے بحث کرتا ہے، اصل انسانی نفسیات جس میں روحانی نفسیات کا حصہ بھی شامل ہے، اس کی طرف سے اس علم کی آنکھیں بند ہیں۔ مغرب نے حیوانی نفسیات کا نام علم النفس رکھا ہوا ہے جبکہ انسان کی اصل نفسیات کو جاننے والے

صوفیائے کرام ہیں جو جسم اور روح کے مجموعہ سے بحث کرتے ہیں۔ صوفیاء میں چوٹی پر حضرت شاہ ولی اللہؒ ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ سب سے اعلیٰ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی ملکیت یعنی روحانیت بھی قوی ہو اور بہیمیت یعنی حیوانیت یا جسمانیت بھی جاندار ہو۔ اگر آپ کا حیوانی وجود قوی نہیں تو آپ کوئی اچھا کام بھی مناسب انداز میں نہیں کرسکیں گے۔ اسی بات کو بڑے سادہ الفاظ میں علامہ اقبال نے کہا۔

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے

اگر چہ بات کہنے کا یہ خالص پہلوانی انداز ہے لیکن حقیقت یہی ہے۔ جن کی بہیمیت قوی ہو اور روحانیت بھی قوی' وہی لوگ کوئی مؤثر اور قابلِ ذکر کام کرسکتے ہیں۔

عزت اور عُلوّ میں فرق،

البتہ یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ "عُلو" کی خواہش اور عزت چاہنے میں بنیادی فرق ہے۔ علو یعنی اپنی بالا دستی' اپنے لئے اقتدار' اپنے لئے اختیار اور قوت حاصل کرنا بہت مذموم جذبہ ہے اور اس کے لئے سورۃ القصص کی آیت یاد رکھئے: "**تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا**" یعنی یہ آخرت کا گھر تو ہم نے مخصوص کردیا ہے ان لوگوں کے لئے جو اس زمین میں اپنے لئے بالا تری' عُلوّ اور سربلندی کے طالب نہیں ہیں جس کا منطقی نتیجہ فساد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں ہمیشہ تفرقے کا سبب آپس کی ضدم ضدا کو بتایا گیا۔ "**وَ مَا تَفَرَّقُوْا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ**" چنانچہ عُلوّ فی الارض کی خواہش اور "بغیاً بینھم" تو فساد کی جڑ ہے لیکن عزت کی طلب بری چیز نہیں بلکہ عزتِ نفس اپنی جگہ بڑی پسندیدہ چیز ہے۔

اسی طرح عزتِ نفس میں اور تکبّر میں امتیاز قائم کرنا بڑا مشکل ہے۔ اس میں ایک بال برابر فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ ہوسکتا ہے کہ کسی کے طرزِ عمل سے دوسروں کو یہ محسوس ہو کہ وہ تکبر کی وجہ سے ایسا کررہا ہے جبکہ درحقیقت وہ عزت نفس کی وجہ

سے ہو۔ خود انسان سے اپنے بارے میں بھی غلطی ہو سکتی ہے لیکن بہرحال عزت چاہنا بری شے نہیں کیونکہ مومنین کے لئے عزت کا اثبات ہے۔

اس عزتِ حقیقی کے حصول کا راستہ ہمیں قرآن میں یہ بتایا گیا کہ "**وَابْتَغُوا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ**"(المائدہ : ۳۵) یعنی" اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو"۔ اس لئے کہ یہی حقیقی عزت ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۵۷ میں مشرکوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ جنہیں یہ معبود سمجھ کر پکارتے ہیں (جیسے ملائکہ) وہ تو خود اللہ کے قرب کے حصول کے لئے کوشاں ہیں کہ "**اَیُّهُمْ اَقْرَبُ**"یعنی کون اللہ کے قریب تر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس صورت وہ ہے جو سورۂ نساء کی آیت ۱۳۹ میں منافقین کے بارے میں بیان ہوئی ہے کہ وہ مشرکین اور یہود سے میل جول اس لئے رکھتے ہیں کہ ان کے قرب سے عزت حاصل کریں: **اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا**۔

تقرب کی شرائط

سورۂ فاطر کی زیر غور آیت میں عزت کے حصول کے لئے دو شرائط بیان ہوئی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: "**اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ**" تقرب الی اللہ کی پہلی شرط لازم کلامِ طیب ہے۔ کلام کلمے کی جمع ہے لیکن یہاں یہ جمع کے صیغے میں نہیں آیا ورنہ اس کی صفت واحد مؤنث آتی۔ مزید برآں اس کی ایک شاذ قراءت "کَلَامُ الطَّیِّبِ" بھی ہے' تاہم مفہوم سب نے ایک ہی لیا ہے کہ یہاں مراد کلمہ نہیں بلکہ کلام ہے۔ انسان کے دماغ کی فزیالوجی میں یہ حقیقت مانی جاتی ہے کہ اس کی بلند ترین سطح میں سب سے بڑا حصہ Speech Center کا ہے یعنی کلام سے متعلق اور پھر اس کے بھی دو حصے ہیں' یعنی پہلے کسی چیز کا شعور حاصل کرنا اور پھر اس کو بیان کرنا۔ اس لئے کہ جتنا آپ کا تصور اور ادراک صحیح ہوگا اتنا ہی آپ کا بیان واضح ہوگا۔ اگر ذہن میں الجھاؤ ہے تو تقریر بھی لامحالہ الجھی ہوئی ہوگی۔ کلام الطیب سے مراد ہے حقیقت کا صحیح فہم و ادراک اور شعور اور پھر اس کو صحیح طور پر بیان کرنا۔ اس صحیح خیال اور نظریے میں اوپر اٹھنے کی ایک بالقوہ صفت موجود ہے۔

کلامِ طیّب سے بعض مفسرین نے کلمۂ طیّبہ مراد لیا ہے۔ وہ بھی ٹھیک ہے' کیونکہ کلمۂ طیّبہ کُل کلامِ حقیقی کا نچوڑ ہے۔ تاہم ہر اچھا خیال' ہر پاکیزہ خیال اور ہر پاکیزہ نظریہ و جذبہ اپنے اندر یقیناً ایک قوت رکھتا ہے۔ یہ قوت عروج کی صلاحیت ہے۔

کلامِ طیب میں اوپر اٹھنے اور ابھرنے کی ایک داخلی خاصیت موجود ہے' لیکن عملاً اس کے اٹھنے اور ابھرنے کا دارو مدار عمل صالح پر ہے " **وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ**" یہ خود نہیں اٹھتا بلکہ عملِ صالح اسے اٹھائے گا۔ چنانچہ جس اصول پر اللہ نے انسان اور کائنات کو بنایا ہے وہ یہی ہے۔ بہتر سے بہتر بات بے وقعت ہوجائے گی اگر آپ اس کے لئے عمل صالح نہیں کرسکتے۔ بدقسمتی سے ہمارا عمل صالح کا تصور بس کچھ عبادات و رسومات تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ فرائض کے بعد نفل پڑھو' پھر اور نفل پڑھو اور اسی میں آگے بڑھتے جاؤ۔ میں نے دورۂ ترجمہ قرآن میں یہ بات واضح کی تھی کہ مکی دور کے ابتدائی زمانے میں عملِ صالح سے کیا مراد تھا۔ سب جانتے ہیں کہ اُس وقت تک نہ نماز کا نظام تھا نہ روزے کا۔ اسی طرح عام سخاوت تو تھی لیکن زکوٰۃ کا کوئی نظام نہیں تھا' شراب حرام نہیں ہوئی تھی' جوا بھی حرام نہیں ہوا تھا۔ تو پھر عمل صالح کیا تھا؟

عمل صالح در حقیقت دعوت' اقامتِ دین کی جدّوجہد اور وہ جہاد بالقرآن تھا جو اول روز سے شروع ہوگیا تھا۔ یعنی اللہ کی طرف بلاؤ اور پھر جم جاؤ "**فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَ اسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ**" یہ تھا اصل میں عمل صالح۔ مشکلات پر صبر ہی اصل میں مکی دور کا عمل صالح تھا۔ اِنفاق البتہ موجود تھا' جو غلام ایمان لے آئے تھے ان کو خرید کر حضرت ابوبکرؓ آزاد کرتے تھے۔ اصل عمل صالح کلامِ طیّب پر استقامت تھا کہ اس پر جم جاؤ' پھر دعوت کا مرحلہ تھا کہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤ' پھر جو بھی تکلیف آئے' ستایا جائے' کردار کشی ہو اور آپ کے خلاف کیچڑ اچھالا جائے تو اسے جھیلو اور برداشت کرو: " **وَ اصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ**" اور " **وَ اھْجُرْھُمْ ھَجْرًا جَمِیْلًا**۔" پھر اس دعوت اور جدوجہد کو ثبات و استقامت کے ساتھ مسلسل کرتے رہنا تھا۔ یہ تھا عمل صالح۔ پھر اسی عمل صالح کے برگ و بار بعد میں ظاہر ہوگئے جن میں نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج' عمرہ شامل ہیں۔ اس طرح یہ سب بھی لازماً عمل صالح میں شامل ہیں۔

لیکن ہمارے ذہن میں عمل صالح کی صرف یہی منزلیں رہتی ہیں۔ جب بھی عمل صالح کا ذکر آتا ہے تو وہی عبادات ذہن میں آجاتی ہیں، جبکہ عمل صالح اُس وقت ایک ہی تھا یعنی استقامت "اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا" اس ایک لفظ (استقامت) میں قیامت مضمر ہے۔ پھر دعوت ہے "وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" اور پھر تیسرے نمبر پر صبر ہے۔ یعنی جھیلنا اور برداشت کرنا۔ چنانچہ جب اقامت کی منزل آئے گی اور جہاد و قتال کی اگلی منزلوں کی طرف پیش قدمی ہوگی تو یہ جملہ مراحل عمل صالح میں شامل ہوں گے۔ یہاں نوٹ کریں کہ اللہ کا تقرب ہی اصل عزت ہے اور اس عزت کا تو ہمیں طالب و متلاشی ہونا ہے، اس کی آرزو اور تقرب الی اللہ کی سعی ہماری ذمہ داری ہے۔ اس کے لئے ہم سب کو ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا چاہیے کہ "اَیُّنَا اَقْرَبُ اِلَی اللّٰہِ" یعنی کون ہے جو اللہ سے قریب سے قریب تر ہو۔ رہا یہ سوال کہ اس کا ذریعہ کیا ہے تو اچھے خیالات، اچھے نظریات، اچھے اقوال اس کا ابتدائی ذریعہ ہیں اور عمل صالح ان کو بلند کرے گا "وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ" میں "یرفعہ" کی ضمیر مفعولی "کَلِمُ الطَّیِّبُ" کی طرف راجع ہے۔ یعنی عمل صالح ہی ہے جو اس کلام طیب کے ابھرنے، نشو و نما پانے اور ترقی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ گویا عزتِ حقیقی یعنی قربِ الٰہی کے حصول کی دو شرطیں ہیں: اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ" اور "وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ"۔

اب اس کے منفی پہلو کی طرف آیئے۔ آپ کا نظریہ چاہے کتنا ہی اعلیٰ اور ارفع ہو لیکن آپ کو خلا میں نہیں کام کرنا بلکہ پہلے سے موجود نظریات سے الجھنا ہوگا جن کی جڑیں بظاہر بہت مضبوط ہوتی ہیں۔ لوگوں کے لئے اپنے معبودوں اور پسندیدہ نظریات کو چھوڑ دینا آسان نہیں ہے۔ بڑی مشقت کرنی ہوگی۔ ایک ایک فرد کے لئے جدوجہد کرنا ہوگی۔ راتوں کو جاگ کر دعائیں مانگنی ہونگی، در در پر جا کر دستک دینا ہوگی اور ان کے پیچھے اپنی جوتیاں تڑوانی ہونگی، تب کہیں جا کر یہ کفر ٹوٹے گا۔ ایک طرف اگر آپ جدوجہد کر رہے ہیں تو دوسری طرف مخالفین و معاندین بھی تو موجود ہیں۔ ان کی طرف سے نئی نئی چالیں چلی جا رہی ہیں، روز نت نئے شوشے چھوڑے جا رہے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں پاگل ہے، شاعر ہے۔ کبھی کہتے ہیں یہ ابتر ہے، ان کی اولاد نرینہ ہی

نہیں، ان کا ذکر کرنے والا اور نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔ کبھی کہتے ہیں کسی سے سیکھتے ہیں، املا لیتے ہیں اور پھر ہم پر دھونس جماتے ہیں۔ اس قولی تعذیب کے بعد خبریں آرہی ہیں کہ آج انہوں نے مشورہ کیا، جیسا کہ سورۂ انفال میں آیا "اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا..." جب کہ آپ کے بارے میں چالیں سوچ رہے تھے کہ کیا کریں۔ آپ کو کہیں قید کردیں یا قتل کردیں یا شہر سے نکال دیں۔ یہ مشورے ہوتے رہتے تھے جن کی خبریں آتی رہتی تھیں۔ اس میں آپ کا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟۔ یہ کہ آپ اپنا کام کرتے رہیے، اس کے لئے جو محنتِ شاقہ درکار ہو اور جو مداومت، استقامت اور صبر اور جان مال کو خرچ کرنا درکار ہو کرتے رہیے۔ جو لوگ چالیں چل رہے ہیں، منصوبہ بندی کررہے ہیں اور تدبیریں سوچ رہے ہیں کہ اس دعوت کا راستہ کیسے روکا جائے، ان کے اور ان کی چالوں کے درمیان ہم مزاحم ہوجائیں گے۔ فرمایا: "وَالَّذِیْنَ یَمْکُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ" یقین رکھئے کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے، سزا آکر رہے گی۔ چاہے فوراً آئے چاہے بعد میں آئے۔ متعدد بار یہ فرمایا گیا کہ اے نبی اگر ہم چاہیں گے تو آپ کے سامنے ہی عذاب لے آئیں گے اور اگر چاہیں گے تو آپ کی وفات کے بعد عذاب آجائے گا، ورنہ آخرت کا عذاب تو لازماً ہے ہی۔ لہٰذا ایک تو یہ یقین رہے کہ جو بھی کوئی بری چالیں چل رہا ہے وہ اپنے انجام کو پہنچ کر رہے گا، دوسرے "وَمَکْرُ اُولٰٓئِکَ هُوَ یَبُوْرُ" یہ یقین رکھو کہ ان کی یہ ساری چالیں ناکام ہو کر رہیں گی۔

اگر انسان کو یہ یقین ہو کہ میں حق پر ہوں تو کسی کی چالوں اور تدبیروں سے بد دل ہونے کی ضرورت نہیں۔ جو چاہیں چالیں چل لیں، منصوبے بنالیں، ان کی چالیں فیل ہو کر رہیں گی اور یہ ناکام ہو کر رہیں گے۔ اسی سورۂ مبارکہ کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ یہ جو کچھ کررہے ہیں "اِسْتِکْبَارًا فِی الْاَرْضِ" کے لئے کررہے ہیں، ان کا جذبہ محرکہ اصل میں زمین میں اپنی بڑائی ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ "عُلُوٌّ فی الارض" ہر حال میں مذموم اور ناپسندیدہ ہے اور بری چالیں جو یہ چل رہے ہیں، آپ مطمئن رہیں کہ یہ بری چالیں انہی پر الٹی پڑیں گی۔ یہ اللہ کے بڑے محکم وعدے ہیں۔ یہ تو ایمان کا بنیادی تقاضا ہے کہ یقین ہو کہ اللہ کا کوئی وعدہ غلط نہیں، اللہ نے

جو فرمایا صد فی صد صحیح فرمایا۔ اس اعتبار سے اس آیت میں ہمارے لئے تین بنیادی ہدایات ہیں۔

بنیادی رہنمائی اور حاصلِ کلام

(i) Ambition اصلاً کوئی بری شے نہیں، مسابقت ضروری ہے اور جس میں جان ہوگی وہی دوڑے گا۔ انسان عزت کا طالب بنے، لیکن حقیقی عزت مال و دولت، دنیوی وجاہت، ناموری، شہرت اور اقتدار سے نہیں، صرف اللہ کے قرب سے حاصل ہوتی ہے (ii) اللہ کے قرب کے دو ہی راستے ہیں، کلامِ طیب اور عملِ صالح۔ کلامِ طیب کا خلاصہ ایمان اور سب سے بڑا مظہر کلمۂ طیبہ ہے، اس میں اوپر اٹھنے کی بڑی صلاحیت ہے، لیکن یہ عمل صالح کے ذریعے ابھارنے سے ابھرے گا، خود نہیں اور یہ اصل میں تمہارے امتحان کے لئے ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو درجے کیسے معین ہوں گے۔ یہ تو اسی سے ظاہر ہوگا کہ عملی جدوجہد میں کون کس درجے پپا اور کھپا ہے، کس نے اپنے آپ کو کس درجے ہلکان کیا ہے؟ اس سلسلے میں وقتی طور پر معاندین کی ایذا رسانی سے دل پر ملال آجانا فطری بات ہے۔ چنانچہ فوری یا وقتی طور پر متاثر ہوجانا ایمان کے منافی نہیں لیکن اس کا کوئی مستقل اثر نہ لیا جائے، اس کی وجہ سے قویٰ شل نہ ہوجائیں، اس کی وجہ سے آپ کا عمل صالح مضمحل نہ ہوجائے اور آپ کی جدوجہد میں کوئی کمی نہ آجائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کے اس وعدے پر یقین ہو کہ ان کی یہ ساری چالیں برباد ہو کر رہیں گی۔ اور ان کی یہ ساری چالیں ہیں کیا؟ "**اِستِکبَارًا فِی الاَرضِ**" زمین میں تکبر کے لئے! درحقیقت یہ جو کچھ ہو رہا ہے، اس دنیا میں ایک دوسرے پر غالب ہونے، بالادستی حاصل کرنے کے لئے ہے۔ یہ جو مکر کی چالیں چل رہے ہیں، یہ انہی پر الٹی پڑیں گی۔یہ ہے میرا آج کے لئے مثبت علمی اور قرآنی تحفہ۔ کوشش کیجئے کہ اس آیت نمبر۱۰ کو یاد کرلیں اور اس کے تینوں پہلوؤں کو اچھی طرح سے مستحضر رکھیں۔

سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر۱۵ اور اِس آیت میں بڑا قرب ہے۔ اس کا پہلا حصہ وہی ہے "**فَلِذٰلِکَ فَادعُ**" آپ دعوت دیتے رہیے۔ کس بات کی، یہ آیت نمبر۱۳

میں آگیا "اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ" آپ کی دعوت کا مرکز و محور اقامت دین رہے۔ "فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ" ڈٹے رہیے' جمے رہیے اس پر جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ کوئی مخالفت ہراساں نہ کرے' کوئی مفاہمت اور مصالحت کی کوشش کچھ لینے دینے پر آمادہ نہ کردے۔ ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے" لَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ" نہیں راضی ہونگے آپ سے کبھی یہود اور نصاریٰ جب تک کہ آپ ان کی پیروی نہ کریں۔ لہٰذا کسی مفاہمت کا خیال چھوڑ دیجئے۔ "وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ وَّاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ" کہئے کہ میرا تو ایمان ہے اس کتاب پر جو اللہ نے نازل فرمائی' میں تو اس پر ڈٹا ہوا ہوں اور جما ہوا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔ میں صرف واعظ بن کر نہیں آیا' میں تو اس نظام عدل و قسط کو نافذ کرنے آیا ہوں جو اللہ نے اپنی کتاب اور شریعت کے ذریعے عطا فرمایا ہے۔

موجودہ حالات پر انطباق

اس آیت کے اگلے حصے کا تعلق آج کے ماحول کے ساتھ سب سے زیادہ ہے۔ اُس وقت جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دے رہے تھے تو وہ خیر مطلق تھے۔ جو ان کے ساتھ نہیں تھا وہ لازماً کافر تھا۔ لہٰذا وہاں تو مفاہمت کا وہ انداز ہو ہی نہیں سکتا جو اس آیت میں سامنے آرہا ہے۔ "اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ" تو ٹھیک ہے کہ کافروں کا رب بھی وہی ہے جو مسلمانوں کا۔ "لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ" بھی ٹھیک ہے کہ اے کافرو تمہارے لئے تمہارے اعمال' ہمارے لئے ہمارے اعمال' لیکن "لَا حُجَّۃَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ" صحیح اور کامل طور پر منطبق ہوگا تو صرف مسلمانوں پر۔ مسلمانوں میں مختلف تحریکیں ہیں' مختلف طریقے سے کام ہورہے ہیں اور مختلف انداز میں لوگ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ کس کی کیا نیت ہے' کام تو بہر حال دین کا ہو رہا ہے۔ اس کے بعد فرمایا "اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ" اللہ ہمیں جمع کردے گا۔ اول تو اسی دنیا میں جمع کردے گا' یعنی اگر ہم میں بھی خیر ہے اور تم میں بھی خیر ہے تو تم ہم سے آملو گے یا ہم تم سے مل جائیں گے۔ اور یوں یہاں دنیا

میں ہی جمع ہونے کا معاملہ ہوجائے گا اور اگر دوسری صورت ہو تو آخرت تو ہے ہی، وہاں تو جمع ہونا ہی ہے۔ ایک ہی دربار میں پیشی ہوگی۔ مسلمانوں میں جو دوسری جماعتیں دین کا کام کر رہی ہیں، ان کے ساتھ ہمارا حقیقی قلبی معاملہ یہی ہونا چاہیے جو آیت کے اس آخری ٹکڑے میں بیان ہوا۔

معاصر دینی تحریکیں

میں نے سالانہ اجتماع کے متصلاً بعد نئی منتخب شدہ شوریٰ کا ایک ہنگامی اجلاس بلایا اور اس کا بہت فائدہ ہوا۔ اس اجلاس میں زیادہ وقت اس بات پر صرف ہوا کہ اب ہماری تحریک جس مقام پر ہے، اس سے آگے بڑھنے کے لئے اصولی اقدام کیا ہوں، کیا اہداف اختیار کئے جائیں۔ خاص طور پر تحریک خلافت کے ضمن میں جو ہم نے حال ہی میں شروع کی ہے، ہماری کیا سوچ ہونی چاہیے۔ ہماری شوریٰ میں بعض نوخیز تحریکوں کا بھی تذکرہ ہوا جیسے ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کی تحریک ہے۔ محسوس ہوتا تھا کہ انتخابات میں بری طرح ناکامی کے بعد وہ تحریک بالکل مضمحل ہوگئی ہے لیکن معلوم ہوا کہ وہ اس اعلان کے ساتھ بڑی ہمت سے میدان میں آگئے ہیں کہ انتخابات کے ذریعے یہاں کچھ نہیں ہوگا، اب ہمیں جہاد کرنا ہے اور انقلاب برپا کرنا ہے۔ چنانچہ یہ بات بڑی خوش آئند ہے۔ اسی طرح تبلیغی جماعت کے مدِ مقابل بریلوی مکتبہ فکر سے "دعوتِ اسلامی" سامنے آئی ہے اور چند سالوں کی محنت کے نتیجے میں وہ ایک لاکھ کا اجتماع کرسکتے ہیں تو یقیناً کافی فعال لوگ ہیں، باہمت ہیں اور کام کررہے ہیں۔

طاہر القادری صاحب جہاد اور انقلاب کے نظریے پر جمے رہتے ہیں اور انتخاب کی طرف نہیں آتے تو ایک اعتبار سے وہ ہمارے مدِمقابل ہیں، کیونکہ ہمارا نظریہ بھی وہی ہے، ایسے ہی جیسے تبلیغی جماعت کے مقابلے پر بریلوی تبلیغی جماعت آرہی ہے۔ چنانچہ ہم نے ان باتوں پر بھی غور کیا۔ میں نے اپنی شوریٰ کے اجلاس میں چند معین سوالوں پر ہر شخص کے لئے اظہارِ رائے لازمی قرار دے دیا تھا۔ یہ مشق ذاتی طور پر میرے لئے نہایت مفید ثابت ہوئی۔ مشورہ اصل میں مجھے درکار ہوتا ہے، میں اپنے فیصلے کے لئے ساتھیوں کے مشورے کا محتاج ہوں۔ یہ اجلاس بہت کامیاب رہا اور یہ

اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے قدم جس طریقے سے اٹھ رہے ہیں اور ہمارے ادارے (Institutions) جس طرح ترقی پذیر ہیں، اس پر اطمینان محسوس ہونا چاہیے اور شوریٰ کا یہ اجلاس اس کی ایک عمدہ مثال تھا۔

ہمارا فکر واضح ہے

ارکانِ شوریٰ کی آراء کے نتیجے میں جو امور ایک اتفاقِ رائے کی شکل میں ہمارے سامنے آئے وہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔

پہلی بات یہ کہ اس پر الحمد للہ سب کو اطمینان حاصل ہے کہ ہماری اصل قوت ہمارا فکر ہے۔ خود مجھے یہ اندازہ کر کے خوشی ہوئی کہ کم سے کم ارکان شوریٰ کی حد تک ہمارا فکر بالکل واضح ہے اور اس فکر پر پورا اعتماد بھی پایا جاتا ہے، بلکہ بعض احباب نے تو بہت خوبصورت انداز میں کہا کہ اب ہمیں اپنے فکر پر "صبر" کی ضرورت ہے۔ جو بھی اِدھر اُدھر کی تحریکیں اٹھیں یا وقتی ہنگامے کھڑے ہوجائیں، ان پر ہمیں خواہ مخواہ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہماری قوت کا اصل سرچشمہ اور اصل ہتھیار صحیح دینی فکر ہے اور اب اس پر صبر کی ضرورت ہے، یعنی اس پر جمے رہنے اور استقامت کی ضرورت ہے۔ ہمیں ان تحریکوں کے بارے میں باخبر رہنا چاہیے کہ کون کیا کر رہا ہے۔ اس اعتبار سے کچھ افراد کی ڈیوٹی ہونی چاہیے کہ وہ رابطہ رکھیں تاکہ ہمیں صحیح خبریں ملتی رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ان کے متعلق کوئی غلط رائے قائم کرلیں اور اپنے دل میں کوئی سوءِ ظن پالتے رہیں۔ اس طرح تو ہم گناہ کے مرتکب ہوجائیں گے۔

دوسرے ان کے بارے میں ہماری پالیسی "انتظار کرو اور دیکھو" کی ہونی چاہیے۔ مثلاً اگر کوئی شخص طے کرلیتا ہے کہ وہ الیکشن کی جانب نہیں جائے گا تو اس کا اصل ٹیسٹ اس وقت ہوگا جب الیکشن کا وقت آئے گا۔ اسی وقت لالچ سر اٹھاتا ہے اور اسی وقت پتہ چلے گا کہ آیا وہ وقتی سخن سازی تھی یا واقعتاً فیصلہ کرلیا گیا ہے۔

تیسری بات جو بہت ضروری ہے اور مثبت بات کی حیثیت سے میں نے پہلے بھی بیان کی ہے یہ ہے کہ ہمیں اپنے قلب اور ذہن میں کشادگی پیدا کرنی چاہیے۔ اس

میں کوئی شک نہیں کہ ایک تحریک سے ہمارا قرب رہا ہے، یعنی جماعت اسلامی سے۔ اسی طرح ابوالکلام آزاد اور علماء دیو بند کی بھی میرے دل میں بڑی قدر و منزلت ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کو میں چودھویں صدی ہجری کا مجددِ اعظم مانتا ہوں۔ لیکن میں نے اپنی کتاب "جماعتِ شیخ الہند اور تنظیم اسلامی" میں اس پر تفصیلاً بحث کی ہے کہ بقیہ حلقوں سے بھی ہمارا رابطہ ہونا چاہیے اور ہمیں اپنے ذہن اور قلب میں ان حلقوں کے لئے بھی مناسب جگہ پیدا کرنی چاہیے۔

میرے پاس مصروفیات کی وجہ سے ملاقاتوں کا وقت نہیں ہوتا اگرچہ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ مختلف دینی جماعتوں کے سربرآوردہ لوگوں سے میل جول ہو، اور پھر کچھ ملاقاتوں سے یہ تأثر لیا گیا کہ شاید یہ ہمارے تعاون کے محتاج بن کر آئے ہیں یا پھر ہمارے ذریعے سے تقویت چاہتے ہیں۔ اس سے طبیعت میں ردِّ عمل پیدا ہوا کہ وقت نکال کر جائیں بھی اور تأثر یہ ملے۔ تاہم بڑا عامل یہی ہے کہ وقت نہیں ہوتا۔ تاہم اس سلسلے میں تنظیم کے رفقاء کو کسی درجے میں بھی تنگ دلی یا بخل کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ آپ کا ذہنی افق جتنا وسیع ہوگا اتنا ہی اپنے قلب و ذہن میں متضاد چیزوں کو جگہ دینے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔ ہر گروہ کے خیر کے پہلوؤں کو بھی پہچانئے، گمراہی اگر کہیں ہے تو اس سے نفرت ہو۔ گمراہوں سے نفرت نہیں ہونی چاہیے، ان کے ساتھ ہمارا تعلق طبیب کا سا ہونا چاہیے۔ ان کے لئے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات ہوں لیکن ہمیں ہر ایک کے لئے اپنے قلب و ذہن میں وسعت ضرور پیدا کرنی چاہیے اور ہر ایک کا پس منظر دیکھنا چاہیے۔ جیسا کہ میں نے اپنی کتاب میں لکھا کہ علمائے دیو بند سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے سمجھا کہ ہر غیر دیو بندی "حنفی" بریلوی ہے، حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ ہندوستان میں دین کے بڑے بڑے مراکز تھے۔ بریلی میں تو مولانا احمد رضا خان صاحب حال ہی میں ابھرے جن کی نسبت سے بریلویت شروع ہوگئی ورنہ فرنگی محل کا بہت بڑا ادارہ، خیر آباد کا مکتبہ فکر اور اس کے علاوہ پنجاب میں بڑی بڑی جگہیں جن میں راولپنڈی کے قریب گولڑہ علم و فضل کا مرکز رہا، یہ معروف معنیٰ میں بریلوی نہیں ہیں۔ سیال شریف کا سلسلہ بھی اس معنی میں بریلوی نہیں، لیکن دیو بندیوں کی ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی سے صورت یہ بن گئی کہ جو دیو بندی

نہیں، وہ یا تو اہلحدیث ہے یا بریلوی۔ یہ بات صحیح نہیں۔

اہلحدیث کا تو خیر فقہی مسلک مختلف ہے، دیو بندی اور بریلوی اور متذکرہ بالا جملہ حلقوں کے متوسلین توسب حنفی ہیں۔ بریلویت نے کچھ تعصب پیدا کیا ہے، لیکن ان سب کو بریلوی سمجھ لینا صحیح نہیں ہے۔ مولانا نورانی میاں کے والد بہت بڑے مبلغ تھے اور خاص طور پر جزائر غرب الہند وغیرہ میں انہوں نے کام کیا جس کے بڑے بڑے مراکز اب بھی قائم ہیں جہاں مولانا نورانی دورہ کرنے جاتے ہیں اور وہیں سے ان کو سب سے زیادہ مالی امداد ملتی ہے۔ وہ اگرچہ مرید تھے احمد رضا خان بریلوی صاحب کے لیکن تحریکِ خلافت کے ضمن میں انہوں نے اپنے 'پیر خانے' کا حکم نہیں مانا۔ احمد رضا خان صاحب کا تو اس وقت انتقال ہوچکا تھا لیکن ان کے جانشین حضرات نے روکا کہ تحریک خلافت میں حصہ مت لو کیونکہ یہ دیو بندیت کی مظہر ہے۔ انہوں نے انکار کردیا، اس لئے کہ اس میں تو مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور ان کے شاگرد رشید مولانا محمد علی جوہر بھی شامل تھے جو ایک بہت بڑی شخصیت کے طور پر تحریک خلافت میں نمایاں ہوئے۔ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء میں اِس لحاظ سے وسعت موجود رہی ہے کہ جمعیت علمائے ہند میں صرف دیو بندیت نہیں تھی بلکہ اس میں اہل حدیث بھی تھے، اور خیر آبادی اور بدایونی مکتبہ فکر کے علماء اور علماءِ دہلی بھی شامل تھے۔ اس اعتبار سے بھی ہماری معلومات بڑھنی چاہئیں۔ اس سلسلے میں کتاب "جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی" کے جو بہت اہم متعلقہ حصے ہیں، ان کا مطالعہ کیجئے۔ گویا تیسری ضرورت یہ ہے کہ اپنے قلب و ذہن میں وسعت پیدا کیجئے۔

چوتھی اور اہم ترین بات یہ ہے کہ ہماری اصل متاع ایک مثبت فکر ہے۔ فرائض دینی کا جامع تصور اور منہج انقلاب نبوی ہمارے مثبت دینی فکر کے دو بڑے اہم اثاثے ہیں۔ ہم انہیں قوت کے ساتھ پیش کریں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ معاصر تحریکوں کے ذریعے جو بھی قوتِ محرکہ پیدا ہوگی وہ اسی مقصد کے لئے استعمال ہوگی، اس لئے کہ اس کے حامل لوگ کہیں آہنی پردوں میں تو نہیں، اسی ماحول میں ہوں گے۔ آپ انہیں فکری انجکشن لگائیے، اپنا فکر پھیلائیے۔ اسے بیان کیجئے اور استدلال کی پوری قوت کے ساتھ بیان کیجئے۔ جیسے کہ ہمارے بعض رفقاء نے لفظ استعمال کیا کہ

اس فکر کو بیان کرنے میں شدت ہو اور اس میں تمام وسائل و ذرائع کو بھرپور طور پر استعمال کیا جائے۔ اس کے نتیجے میں ہوسکتا ہے کہ انہی قوتوں میں جذبۂ عمل یا جذبۂ جہاد پیدا ہو جائے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا مقصد حاصل ہوگیا۔ الغرض' جہاد کیا ہے' اس کے مراحل کیا ہیں' اس کی حقیقت کیا ہے اور اس کی شرائط کیا ہیں' اس فکر کو عام کیجئے۔ ظاہر بات ہے کہ جو لوگ جہاد کی طرف آرہے ہیں اور انقلابی جدّوجہد کی بات کررہے ہیں تو اگر انہوں نے اس کی کوئی مبہم سی بات سمجھی ہے تو اس کی تفصیلی شکلیں سامنے آنے پر ان میں سے سلیم الفطرت اور مخلص لوگ آپ کی بات سننے کو تیار ہوں گے۔ انہیں اپنے فکر کے انجکشن ہمیں بڑے پیمانے پر دیتے رہنا چاہیے۔ ہمیں تو یہی چاہیے کہ کوئی بھی تحریک ہو اس کا رخ صحیح ہوجائے۔ یہی تو ہمارا مطلوب ہے' ہمیں اور کیا چاہیے ؟ ہمیں آم کھانے سے غرض ہے پیڑ گننے سے نہیں!

میرا اپنا طرز عمل

اگر مجھے یہ احساس ہوجائے کہ کوئی داعی زیادہ واضح فکر اور بہتر صلاحیت کے ساتھ میدان میں آگیا ہے اور پھر بھی میں اس کا ساتھ نہ دوں تو گویا میں اپنے ضمیر کے سامنے مجرم بن جاؤں گا۔ میری عمر کا اب ساٹھواں برس پورا ہورہا ہے لہٰذا فکر کی پختگی جس حد تک ممکن تھی مکمل ہوچکی ہے۔ لیکن میں اپنے بارے میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ میں دنیا کی ہر چیز برداشت کرسکتا ہوں سوائے اپنے ضمیر کی چبھن کے۔ "میں اس چبھن کے ساتھ چل نہیں سکتا' پاگل ہوجاؤں گا۔" یہ الفاظ میں نے رحیم یار خان کے ڈاکٹر عبدالخالق صاحب سے کہے تھے جو میرے ساتھ جنرل ضیاء کی شوریٰ میں تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں یہاں نہیں رہ سکتا' اس فضا میں سانس نہیں لے سکتا۔ وہ سمجھانے لگے تو میں نے کہا کہ میں پاگل ہوجاؤں گا۔ انہوں نے میری کیفیت کو دیکھ کر کہا کہ ٹھیک ہے آپ استعفاء دے دیجئے۔ میرا ضمیر مطمئن نہ ہو تو میں کوئی کام نہیں کرسکتا۔ ضمیر مطمئن تھا تو میں مودودی صاحب سے ٹکرا گیا جو میرے والد کے ہم عمر تھے اور پھر اصلاحی صاحب سے ٹکرا گیا۔ "عزم تنظیم" نامی کتابچے میں میں نے چیلنج کیا تھا کہ دین کے مبادی پر میں بڑے سے بڑے عالم سے بحث کرنے کے لئے

تیار ہوں کیونکہ مجھے اس بارے میں پورا اعتماد حاصل ہے۔ البتہ فقہی مسائل میں میں مبادیات سے بھی واقف نہیں ہوں۔ میں نے جس طرح اپنی والدہ سے وضو کا طریقہ سیکھا تھا اسی طرح وضو کرتا ہوں۔ اس میں کیا مستحبّات ہیں اور کون کون سی سنتیں ہیں، ان کی تعداد شاید مجھے ٹھیک یاد نہ ہو۔ اس اعتبار سے میں "اُمّی" ہوں یعنی جو کچھ بھی سیکھا اپنی ماں سے سیکھا البتہ جو دین کے اصول اور مبادی ہیں، ان پر میں بڑے سے بڑے عالم سے بات کرنے کے لئے تیار ہوں۔ حاصلِ کلام یہ کہ ہماری جو فکر کی قوت ہے اسے بھرپور طور سے استعمال ہونا چاہیے، اس کے لئے سوچئے کہ کیا کیا ذرائع استعمال کئے جائیں۔ اس میں شدت پیدا ہوگی تو ہماری گاڑی آگے چلے گی۔

تحریکِ خلافت پر اطمینان

ایک اور بات جس پر مجلسِ شوریٰ کو اتفاقِ رائے ہے اور جس کے صرف ایک پہلو پر ہمارے ایک ساتھی کو ایک خالص ٹیکنیکل نوعیت کا اختلاف ہوا، وہ متفق علیہ بات یہ ہے کہ تحریک خلافت بروقت اور اس صحیح رہنمائی کے تحت جو اللہ کی طرف سے آئی، شروع ہوئی ہے۔ میرے تو حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا کہ خلافت کا عنوان اختیار کیا جائے۔ "حزب التحریر" والوں سے میں ملتا رہتا تھا لیکن ان کی بات نے مجھے متاثر نہیں کیا۔ ان پر میرا پہلا اعتراض یہ تھا کہ آپ نے نام "حزب التحریر" رکھا ہوا ہے، حزب اللہ یا حزب اسلامی کیوں نہیں؟۔ حزب التحریر کا مطلب تو تحریک آزادی ہے جو دنیا میں عوام ہر جگہ جمہوریت کے لئے چلاتے ہیں، آپ دینی اصطلاح کیوں نہیں استعمال کرتے۔ ان کے حوالے سے خلافت کے لفظ نے بھی میرے ذہن کے تاروں کو نہیں چھیڑا، لیکن ایک شخص کو اللہ نے ذریعہ بنایا، بات سامنے آئی اور واضح ہوئی تو میں نے قبول کر لیا۔ اللہ کی طرف سے رہنمائی کے مختلف ذرائع اور اسباب بن جاتے ہیں لیکن اس پر اتفاق رائے ہے کہ اللہ کی طرف سے یہ صحیح اور بروقت رہنمائی آئی ہے اور ہم نے صحیح تحریک کا بروقت فیصلہ کیا۔

فنی نوعیت کا اختلاف ہمارے صرف ایک ساتھی کو ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب ہم نے معاونین کا تنظیمی ڈھانچہ بنایا تو اس میں ہر رفیقِ تنظیم کو شامل ہونے پر مجبور کرنا

صحیح نہیں۔ میرے نزدیک ان کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ اس پر گفتگو ہوئی ہے۔ اللہ کرے کہ یہ اختلاف رکھتے ہوئے بھی ان کے جوش اور وابستگی میں کوئی کمی نہ آئے۔ میں دیکھتا رہا ہوں کہ اجتماع کی ان نشستوں میں انہوں نے بڑے جوش و خروش سے کام کیا ہے۔ ہوسکتا ہے ان کا یہ اختلاف ختم ہوگیا ہو اور ہوسکتا ہے کہ اب تک برقرار رہا ہو۔ مجموعی اتفاقِ رائے اب یہ ہے کہ تحریک میں شدّت پیدا کی جانی چاہیے۔ اس شدّت کا ایک غلط نتیجہ جو نکل سکتا ہے وہ میں بعد میں عرض کروں گا۔ ہوسکتا ہے کوئی عدم توازن ہوجائے' وہ بھی بعد کی بات ہے۔ شدت سے مراد یہ ہے کہ اب اس کو قصبات تک پہنچایا جائے۔ بڑے شہروں سے آگے بڑھ کے ضلعی ہیڈ کوارٹر' تحصیل ہیڈ کوارٹر اور اہم قصبوں تک بات پہنچائی جائے۔ اس کے ضمن میں یہ بات طے پائی ہے کہ یہ جلسے جو تحریک خلافت کے ہونگے ان میں میری شرکت نہیں ہوگی بلکہ اس سطح کے جلسوں میں ہماری مقررین کی سیکنڈ لائن کو آگے آنا ہوگا جو بحمداللہ تیار ہوچکی ہے۔ ذاتی طور پر نقل و حرکت اب اس درجے میں میں نہیں کرسکتا۔ ابتداءِ کار کیلئے جو مواد میں نے دینا تھا' وہ دے دیا ہے۔ اب وہ تقریروں کی صورت میں موجود ہے' کیسٹس میں ہے' وہاں سے لیں' تیار کریں' اور آگے پہنچائیں۔

عملی اقدامات

آخری جو بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ شوریٰ کی جانب سے نہیں' میری طرف سے ہے کہ آئندہ میرا جلسہ تین مہینے میں ایک سے زائد نہیں ہوگا۔ منتظمین نوٹ کرلیں تاکہ وہ اسی کے مطابق منصوبہ بندی کریں اور کوشش یہ ہو کہ جلسۂ خلافت کے اعتبار سے جو ڈویژنل ہیڈ کوارٹرز رہ گئے ہوں ہم وہاں بھی پہنچ جائیں۔ دوسری ہدایت جو میں دینا چاہتا ہوں یہ ہے کہ رات کے جلسے کے بعد (جیسا کہ اب موسم کا تقاضا ہے) اگلی صبح لازمی طور پر ملاقات اور سوال و جواب کی نشست کا اہتمام ہونا چاہیے جو پہلے ہم نے نہیں کیا۔ لیکن اب ہر تین مہینے میں ایک جلسہ ہوگا تو یہ حلقہ وار ہونا چاہیے اور اس کے لئے پورا حلقہ متحرک ہو اور اپنی پوری قوتِ کار کو بروئے کار لائے۔ اس کے لئے پہلے سے پبلسٹی ہوئی ہو' پلے کارڈ لے کر محلے محلے میں گھومے ہوں۔ یہ ساری

محنت ہوئی ہو تب وہاں مجھے لے کر جائیں۔ چھوٹے چھوٹے جلسوں میں اور فوری طور پر منعقد کئے گئے جلسوں میں میرا وقت صرف نہ کیا جائے۔ اس تحریک کا آغاز کرنے میں جو محنت مجھے کرنی تھی اللہ کے فضل و کرم سے وہ میں نے کردی ہے۔

شوریٰ میں مظاہروں کا معاملہ بھی زیر بحث آیا۔ ایک رائے یہ سامنے آئی کہ یہ مظاہرے بے نتیجہ ہیں' بلکہ ایک لفظ یہ بھی سامنے آیا کہ یہ "خصی" مظاہرے ہیں۔ آپ گھوم لئے' پھر لئے' نہ آپ نے کسی سے کچھ کہا نہ کسی نے آپ سے کچھ کہا۔ اس سے تو کوئی بات بنتی نہیں۔ جب کوئی ہنگامہ ہو' توڑ پھوڑ ہو' یا کم از کم آپ کو کوئی مار پڑے' اس وقت کوئی نتیجہ خیز بات ہوگی۔ اس کے لئے کوئی چیلنج ہو' یا اس سے ملتا جلتا کوئی انداز اختیار کیا جائے۔ یہ بات بڑے وزنی انداز میں احباب کی طرف سے آئی ہے لیکن جن چیزوں پر تقریباً اتفاقِ رائے ہوا وہ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ ایک یہ کہ یہ مظاہرے صحیح ہیں اور جاری رہنے چاہئیں۔ یہ بے نتیجہ اور خصی نہیں ہیں بلکہ ہمارے ایک ساتھی نے تو اس پر شدید احتجاج کیا کہ یہ لفظ استعمال نہیں ہونا چاہیے۔ بہر حال مظاہرے جاری رہنے چاہئیں بلکہ ان میں مزید پیش قدمی ہونی چاہیے۔ مراد یہ ہے کہ یہ بڑے پیمانے پر ہوں' ان کی تعداد زیادہ نہ ہو لیکن جب کبھی مظاہرہ ہو تو کم از کم پورے حلقے کی قوت وہاں پر آئی ہوئی ہو۔ یا پھر پورے پاکستان کی سطح پر ریلیوں کی شکل میں ہوں۔

ایک صاحب کی طرف سے یہ رائے آئی تھی کہ سالانہ اجتماع کے موقع پر بھی ریلی ہونی چاہیے۔ تاہم ابھی میں اس رائے کو قبول نہیں کررہا۔ ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ ابھی ہمارے بہت سے ساتھی بنیادی فکر سے بھی اچھی طرح آگاہ نہیں ہیں۔ کیونکہ پڑھنے وغیرہ کی عادت نہیں ہے۔ اس لئے سالانہ اجتماع ابھی کچھ عرصے تک ہماری فکری تجدید اور تطہیر کے لئے استعمال ہوں گے' تاکہ ایک تو فکر میں پختگی پیدا ہو' فکر کی تجدید ہو اور دوسرے یہ کہ فکر کی تطہیر بھی ہو' یعنی اگر کوئی غلط چیز شامل ہو رہی ہو تو سالانہ اجتماع کے ذریعے ہم اس کی کانٹ چھانٹ کرتے رہیں۔ گویا فکر کی پختگی' تذکیر اور تطہیر کے لئے ہمارے سالانہ اجتماعات وقف رہنے چاہئیں۔ سالانہ اجتماع کے موقع پر ریلی سے ٹرانسپورٹ کے مسائل ہونگے' پھر اس میں بہت سا

وقت نکل جائے گا اور ساری توجہ اسی طرف مرکوز رہے گی۔ یہ مظاہرے حلقہ وار ہوں' اگر کُل پاکستان ریلی ہو تو سالانہ اجتماع کے علاوہ کوئی اور دن ہو۔ سب لوگ پہنچیں' صبح سے شام تک کا پروگرام ہو اور اپنی استطاعت کے مطابق سب لوگ خود اپنی ٹرانسپورٹ اور رہائش کا بندوبست کریں۔ مزید اضافہ یہ کیا گیا ہے کہ اب حساس مقامات پر بھی مظاہرے ہونے چاہئیں۔ فوجی مراکز' گورنر ہاؤس' پارلیمنٹ ہاؤس کے باہر مظاہرے ہوں گے۔ صرف گول باغ سے مال روڈ اور مال روڈ سے گول باغ تک جانے سے بات نہیں بنتی ' اب آگے چلنا چاہیے۔ البتہ اس سلسلے میں پختہ فیصلہ یہ ہے کہ کسی تصادم کو دعوت نہ دی جائے۔ اگر کوئی حساس مقام ہے اور وہاں آخری حد مقرر ہے تو وہاں پہنچ جایئے۔ پھر کہئے کہ ہم پر امن طریقے سے آگے جانا چاہتے ہیں' کوئی غلط حرکت نہیں ہوگی' کوئی توڑ پھوڑ نہیں ہوگی' اس کی ہم ضمانت دیتے ہیں۔ یہ ہو تو ہم سب کو آپ جیل بھیج دیں۔ پھر بھی وہ اگر روکتے ہیں تو ہاتھا پائی تک آنے کا معاملہ نہیں ہونا چاہیے۔ جب وہ وقت آئے گا تو اس کے بارے میں ہم سوچیں گے اور جو بھی ہدایت ہوگی دیں گے۔

ایک اور بات جس پر ہمارے ہاں اتفاقِ رائے ہوا' وہ یہ ہے کہ ہمارا اصل زور اپنے فکر کی پختگی ' اس کی اشاعت اور اس کی شدت پر ہونا چاہیے۔ شدت کا لفظ میں نے اضافی استعمال کیا ہے۔ یعنی یہ کہ ایسا ہونا چاہیے کہ اس سے لوگوں کو چبھن محسوس ہو۔ اپنے فکر کے ضمن میں ہم صرف مثبت بات کہہ کر نہ رک جائیں بلکہ جو چیزیں منکرات ہیں ' نام لے لے کر ان کا تذکرہ کیا جائے۔ ہماری دعوت کا یہ رخ ہونا چاہیے' اس لئے کہ ہمارے عام رفقاء کا فکر ابھی بہت خام ہے۔ ان کے ذہن میں اس کا صغریٰ کبریٰ موجود نہیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ تربیت گاہوں میں نہیں آتے۔ تربیت گاہ میں آئیں' سات دن نکالیں جس کا ایک نظام ہے۔ اس میں بحث ہوتی ہے' گفتگوئیں ہوتی ہیں اور بات واضح کی جاتی ہے۔ اب اگر اس موقع پر میں بنیادی مسائل پر گفتگو کروں تو یہ وقت کا ضیاع ہے۔ یہ ساری چیزیں ہماری تربیت گاہوں میں بتائی جاتی ہیں۔ مختلف تحریکوں اور جماعتوں سے ہمارا فرق کیا ہے' ان کے اصول و مبادی کیا ہیں اور ہمارے کیا ؟ ہمارے مابین کیا چیز مشترک ہے اور کیا اختلاف

ہے؟ اس کے لئے تربیت گاہوں کا نظام قائم ہے۔ ہم نے اظہار خیال کے لئے توسیعی مشاورت کا جو نظام بنایا ہے' اس میں بھی بہت کم رفقاء حصہ لے رہے ہیں۔ یہ بھی در حقیقت اپنے نظام العمل کو نہ سمجھنے کے باعث ہے' اس کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ کوئی بالکل مبتدی رفیق بھی بڑی عمدہ بات کہہ سکتا ہے۔ لہٰذا ہم نے توسیعی مشاورت کا فورم رکھا کہ آئیں' بات کریں۔ ہم تو وہاں صرف سننے والے ہوتے ہیں۔ میں یا میری مجلس عاملہ اور شوریٰ وہاں صرف سنتے ہیں' جواب نہیں دیتے' سوائے اس کے کہ کوئی استثنائی معاملہ ہو۔ چنانچہ آیئے اور ہمیں سنایئے! میں چاہتا ہوں کہ اس طرف بھی آپ توجہ فرمائیں اور جب بھی وہ توسیعی مشاورت منعقد ہو وہ بھرپور ہونی چاہیے۔ ہم نے اس کے لئے چار دن رکھے تھے لیکن کبھی چار دن تک کارروائی جاری نہیں رہی' ایک دن میں ختم ہو جاتی ہے' کیونکہ لوگ آتے ہی نہیں۔ جو نظام العمل ہم نے بنایا ہے اس کو بنانے میں ہماری بڑی محنتیں صرف ہوئی ہیں۔ اس کو سمجھنا ضروری ہے کہ اختلاف کی حدود' آداب اور طریقے کیا ہیں۔ اظہار رائے کا حق کتنا ہے۔ کہاں ہے' کہاں نہیں ہے۔ کہاں اس کے اوپر قدغن ہے' کہاں آزادی ہے۔ اس کے لئے کوئی ترتیب و تدریج ہے یا نہیں۔ یہ ساری چیزیں اس میں موجود ہیں۔ الغرض تربیت گاہوں اور توسیعی مشاورت کی طرف پوری توجہ ہونی چاہیے۔

اگر ہمارا فکر پختہ ہو اور اس کے ابلاغ میں شدت پیدا ہو جائے تو اس کے دو نتیجے نکلیں گے۔ ایک یہ کہ جو نوخیز تحریکیں سامنے آ رہی ہیں ان کو ہم اپنے فکر کے انجکشن لگا سکیں گے۔ اللہ ان کے ذریعے سے کام لے لے تو ہمیں اور کیا چاہیے' ہم تو خود ان کے ساتھی بن جائیں گے۔ اس کام میں ہر شخص کو شعوری طور پر فیصلہ کر لینا چاہیے کہ کہیں بھی تکبر آڑے نہ آئے۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کسی نوجوان کو ہم سے زیادہ صلاحیت عطا کر دے۔ میں نے جماعت شیخ الہندؒ والی کتاب میں حضرت شیخ الہندؒ کا جو سب سے بڑا وصف گنوایا ہے وہ یہ کہ حق کو قبول کرنے کے معاملے میں ان میں ہرگز کوئی تکبر نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے بیٹوں سے بھی کم عمر کے ایک نوجوان ابوالکلام کے بارے میں کہا کہ "اس نوجوان نے ہمیں ہمارا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا ہے۔" حالانکہ ابوالکلام جب "الہلال" نکال رہے تھے تو ان کی عمر کل چوبیس پچیس

برس تھی اور حضرت شیخ الہندؒ شیخ الشیوخ' استاذ الاساتذہ تھے۔ ان کا یہ اعتراف سب سے بڑی عظمت ہے جو میں نے وہاں بیان کی ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے ہمیں نفیِ ذات کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ لیکن جب تک ایسا معاملہ نہیں اس وقت تک ہمیں اپنے فکر کو پھیلانا ہے اور اس فکر کے انجکشن میں اگر شدت ہوگی تبھی وہ اس خول کو پار کرے گا جس میں ہر تحریک اور جماعت اپنے ساتھیوں کو بند رکھنے کی کوشش کرتی ہے تاکہ کوئی اور فکر ان کے نہ قریب آئے اور نہ ہی قریب سے گزرے' جبکہ بحمد اللہ ہمارا رویہ ہمیشہ سے اس کے برعکس رہا ہے۔ میں نے علمائے کرام کو بلا کر چھ دن اپنی پوری تنظیم کو ان کے سامنے بٹھائے رکھا کہ ان کی بات سنو۔

نظریاتی تصادم ہونا چاہیے

دوسرا نتیجہ اس شدت کا یہ نکلے گا کہ مخالفت میں بھی شدت پیدا ہوگی اور یہ مخالفت کی شدت انقلابی تربیت کا جزو لازم ہے۔

ہمارے بہت سے ساتھیوں نے اس طرف توجہ دلائی کہ ہمارے یہاں تصادم کی نوعیت نہیں آرہی۔ ابھی تک ہمارا تصادم گھریلو سطح پر ہے یا برادری کے ساتھ ہے۔ گھر میں دنگا فساد ہے' بیوی ناراض ہے یا یہ کہ برادریوں میں پردے یا دیگر رسومات کی وجہ سے لڑائیاں ہیں۔ یہ چیزیں منظر عام پر نہیں آتیں۔ لوگوں کو تو اس وقت پتہ چلے گا جب مار پڑے گی۔ اگر ہماری دعوت میں شدت پیدا ہوگی تو مخالفت میں بھی شدت پیدا ہوگی۔ گالیاں دی جائیں گی۔ پھر وہ مہذب انداز میں اختلاف نہیں ہوگا بلکہ گالیاں سننی ہونگی اور یہ بہت ضروری ہے۔ ہمارے ایک ساتھی نے ایک لفظ استعمال کیا ہے "ریڈیکل اسلام"۔ یہ وہی لفظ ہے جو ایک بڑے روزنامے کے فاضل کالم نویس نے حال ہی میں استعمال کیا ہے۔ یہ لفظ صحیح ہے' اگرچہ انہوں نے یہ احتیاط رکھی ہے کہ کہیں ریڈیکل اسلام پیش کرنے والے کا نام نہ آنے پائے۔ ان کے اپنے پیمانے ہوتے ہیں کہ کس کا نام لیا جائے کس کا نہ لیا جائے' لیکن ہم جو اسلام پیش کررہے ہیں' وہ واقعی ریڈیکل اسلام ہے۔ جب تحریک خلافت کے ذریعے سے رابطۂ عوام میں شدت پیدا ہوگی اور جاگیرداروں اور زمینداروں کو خطرے محسوس ہونے لگیں گے تو

پھر وہ مرحلہ آئے گا۔ اس ریڈیکل اسلام کا پیش کرنا ضروری ہے اور جب ہمارے خلافت کے جلسے ہونگے تو ہمیں اسی پر زور دینا ہوگا۔

دو عملی تحفے

اس کے بعد دو عملی تحفے اپنی طرف سے پیش کرتا ہوں۔ ایک بات اگر چہ بار بار اس اجتماع میں میری طرف سے آئی ہے لیکن اب میں اس کی اہمیت کے لئے علیحدہ سے نوٹ کروا رہا ہوں۔ ایک یہ کہ ہمارے فکر اور عمل دونوں میں توازن اور اعتدال ہونا چاہیے' دوسرے یہ کہ جمع اضداد یعنی جامعیت ہونی چاہیے اور یہی کام مشکل ہے۔ یک رخا ذہن خوب چلتا ہے' یک رخا انسان خوب دوڑتا ہے۔ مصیبت تو دو دو تین تین اور چار چار ٹریک رکھنے والوں کو ہوتی ہے اور سب سے بڑا کامیاب انسان وہ ہے جو مختلف اور متضاد چیزوں میں تالیف کئے ہوئے ہو۔ اسے یہ معلوم ہو کہ کس چیز کی کیا اہمت ہے اور پھر ان چیزوں میں تالیف ہو' ترتیب ہو' پھر ان میں توازن ہو اور اعتدال بھی۔ یہ در حقیقت صحیح کام کے لئے بہت بڑی شرط ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں کائناتی توازن کا ذکر ہے: **وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِيْزَانَ ○ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ○ وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ○**" نہ یہ ترازو والی میزان ہے نہ میزانِ شریعت ہے۔ یہ تو کائناتی میزان ہے۔ پوری کائنات کا مادی وجود اس توازن پر قائم ہے جو باہمی کشش ثقل کے ذریعے قائم کیا گیا ہے' جس کے بارے میں صحیح کہا جس نے بھی کہا کہ ۔

لو سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کار گہِ شیشہ گری کا !

کسی ایک جگہ سے بھی یہ توازن اگر ہل جائے تو تمام سیارے ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے۔

اس کے ساتھ دوسری میزان وہ ہے جو شریعت کی صورت میں اتری ہے' کتاب کے ساتھ اتری ہے۔ یہ وہ میزان ہے جس کا ذکر سورۃ الحدید میں آگیا: "**لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ**" اور اس کی ہم مضمون کی سورت

یعنی سورۃ الشوریٰ میں بھی یہی لفظ آیا "اَللّٰہُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الْمِیْزَانَ" —— یہ میزان شریعت کی میزان ہے۔ یہ نظام اور قانون کے مابین توازن کی میزان ہے۔ یہ حقوق و فرائض کے مابین توازن کی میزان ہے۔ آپ اندازہ کریں کہ کائناتی سطح پر بھی اہم ترین چیز توازن ہے اور اسی طرح شریعت میں، دین میں، انسانی زندگی میں بھی درحقیقت سب سے اہم چیز یہی توازن ہے۔ فرد اور جماعت کے مابین توازن، عورت اور مرد کے مابین توازن اور محنت اور سرمائے کے مابین توازن۔ یہی تین مسئلے لاینحل ہیں اور حل ہو ہی نہیں سکتے جب تک کہ شریعت اور قرآن و سنّت کی رہنمائی میں یعنی ان دو آنکھوں سے انسان انہیں نہیں دیکھے گا۔

اس اعتبار سے سب سے مشکل کام یہی توازن و اعتدال ہے۔ یک رخی شخصیت بڑی تیز چلنے والی شے ہے لیکن توازن و اعتدال کے ساتھ چلنا بہت مشکل ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ یہی دنیا کا پل صراط ہے، حشر کے روز پل صراط سے بھی وہی گزر سکے گا جو یہاں اعتدال کے ساتھ افراط و تفریط سے بچ کر زندگی گزار جائے۔ ذرا ادھر ہوئے تو کھائی میں گر گئے اور ذرا اُدھر ہوئے تو گڑھے میں گرے، ایک بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز راستے پر چلنے کے لئے کم از کم شعوری کوشش تو ہونی چاہیے، اگرچہ کامل توازن حاصل کرنا کارے دارد، کوئی اس کا مدّعی ہو ہی نہیں سکتا۔

اگر میری اس بات کو بقیہ انبیاء کی توہین پر محمول نہ کیا جائے جس کی میری نیت ہرگز نہیں تو میں اپنے آپ کو یہ کہنے پر مجبور پاتا ہوں کہ کامل توازن دنیا میں صرف ایک شخص میں پایا گیا اور وہ محمدؐ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور کہیں کامل توازن نہیں ملے گا۔ حضرت مسیحؑ میں زہد کا غلبہ ہے، لیکن قانون کا استخفاف ہو رہا ہے کہ اس کو پہلا پتھر وہی مارے جس نے خود کبھی بد کاری نہ کی ہو۔ یہ اگرچہ بڑی تلخ حقیقت ہے جس کی طرف توجہ دلائی گئی لیکن شریعت یہ نہیں ہے۔ شریعت تو یہ ہے کہ جس پر زنا کا الزام ثابت ہو جائے اسے آپ نے سنگسار کرنا ہی ہے چاہے دلی ہمدردی کتنی ہی ہو۔ غامدی خاتون سے کتنی دلی ہمدردی تھی، تین چار دفعہ ٹالا، حضرت ماعز سے کتنی ہمدردی تھی، کتنی دفعہ کہا کہ پاگل ہو گئے ہو، دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ذرا اس کا منہ سونگھ کر دیکھو کہیں شراب تو نہیں پی ہوئی، نشہ میں تو نہیں کہہ رہا۔ ایک

طرف یہ رأفت و رحمت تو دوسری طرف جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے تقاضوں کو اس شدّت کے ساتھ پورا کیا جارہا ہے کہ ایک پورے قبیلے کے جوان مردوں کو ذبح کروا دیا۔ گویا کامل توازن آسان نہیں ہے۔ البتہ اس کے لئے شعوری کوشش انسان کرتا رہے' اپنی امکانی حد تک۔

اس توازن کے سلسلے میں سب سے اہم نکتہ جو میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ ہے تحریک خلافت بمقابلہ استحکامِ تنظیم۔ اس میں پچھلے چھ مہینے کے دوران میں کچھ عدم توازن ہوا ہے۔ مجھے اس کا احساس تھا لیکن اسے ایک ناگزیر برائی کے درجے میں قبول کیا گیا۔ ہم نے شوریٰ میں فیصلہ کیا تھا کہ ذرا دیکھیں تو سہی قوم میں اس کا ردِّ عمل کیا ہوتا ہے۔ اس بنیاد پر آئندہ کے لئے فیصلے کرنے تھے۔ اس کے لئے اضافی محنت کی گئی اور میں نے خود اپنے اوپر جو مشقت جھیلی' اس کا آپ کو اندازہ ہو ہی گیا ہے۔ بالکل ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے وہی ۸۲۔۱۹۸۰ کے زمانے کی توانائیاں لوٹ آئی ہوں۔ تین تین سو میل کا سفر سڑک سے بھی ہوا ہے حالانکہ کمر کی تکلیف کے بعد میں اس سے بچتا رہا ہوں۔ اللہ نے توفیق دی' لیکن اس سے درسِ قرآن اور ایک روزہ اور دو روزہ دعوتی اسفار کے پروگراموں میں بڑا تعطل پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا میں آپ کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ اس میں عدم توازن نہیں پیدا ہونا چاہیے۔ پہلے جو کر لیا وہ کرلیا' اب آگے گاڑی توازن کے ساتھ چلے گی' اس میں "آگے دوڑ پیچھے چوڑ" ہوگیا تو وہ گھاٹے والی بات ہے۔ اس میں ہمارا نقصان ہی نقصان ہوگا۔ لہٰذا دو روزہ' سہ روزہ پروگراموں کو تحریک خلافت کے ساتھ نتھی کیا جائے تاکہ ہمارا نظم بھی برقرار رہے۔ قصبات میں جائیں' ٹیمیں لے کر نکلیں' کراچی' پشاور' پنڈی' جہاں بڑی بڑی تنظیمیں ہیں' وہاں سے نکلیں' دو روزے لگائیں۔ دیہات کے اندر جلسہ بھی کریں۔ وہیں " پلے کارڈ" لے کر جائیں' اسی میں تربیت بھی ہوگی' رات بسر کریں گے' فجر کی نماز بھی ہوگی اور نوافل بھی ہوں گے۔ یہ کام اب اس نہج سے ہونا چاہیے کہ اس میں دونوں چیزیں ساتھ ساتھ ہوں۔ ہمارے نظام العمل میں جو دو روزہ تین روزہ تفریغ اوقات ہے وہ بھی ہر رفیق کرے اور ان شاء اللہ اس کے ذریعے سے تحریکِ خلافت عام ہوجائے گی۔

تربیت گاہیں

اسی طرح تربیت گاہوں پر زور پوری طرح سے رہنا چاہیے ۔ جہاں بھی کوئی ذمہ دار دورے میں جائے' یہ بھی دیکھتا رہے کہ کون نہیں آیا۔ کہاں سے کس کو آنا چاہیے تھا۔ پھر وہ اس کو پی پی کال کرے کہ بھائی آپ ابھی تک نہیں آئے ہیں' پہلی فرصت میں آیئے اور یہ کمی پوری کیجئے' یہ نظم کا تقاضا ہے ۔ اسی طرح عربی کی تحصیل و تعلیم اور درسِ قرآن کے سلسلے میں بھی کوئی تعطل پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ ہدایت کا منبع و سرچشمہ اور نورِ ایمان دراصل نورِ قرآن ہے۔ گویا کہ دو کام ہمارے سامنے بالکل متوازی ہیں۔ ایک کام ہے اس افشائے نور کا اور یہ سلسلہ اسی شدومد کے ساتھ اسی ذوق و شوق کے ساتھ جاری رہنا چاہیے۔ جڑ بھی پھیلنی چاہیے' ایسا نہ ہو کہ درخت کے برگ و بار بڑھنے شروع ہوجائیں اور جڑ نہ پھیلے۔ جتنا بڑا درخت ہوگا' جتنا بڑا تنا' پھر جتنے زیادہ برگ و بار ہونگے جڑوں کو بھی اتنی ہی تیزی سے اِدھر اُدھر پھیلنا چاہیے۔ اس کو متوازی اور متوازن ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ درحقیقت ہمارے دو کام ہی تو ہیں' اگرچہ ہم نے ان کو تین میں تقسیم کردیا ہے۔ لیکن درحقیقت دو ہی ہیں، علم و ہدایتِ قرآن کی نشرو اشاعت اور اقامتِ دین کی عملی جدوجہد۔

اقامتِ دین کی عملی جدوجہد کے لئے تنے کی حیثیت تنظیم کو حاصل ہے اور رابطہ عوام کے لئے تحریک خلافت درخت کے برگ و بار کی مانند ہے۔ اسی لئے میں نے ان دونوں کو جمع کیا ہے' رفقائے تنظیم اور تحریک کے نئے بننے والے معاونین کے نظام کو آپس میں جوڑ دیا ہے' یہ یکجا ہو جائیں گے اور ان میں نسبت و تناسب وہی ہوگا جو جماعت اسلامی میں ارکان اور متفقین کا ہے۔ چنانچہ اصل کام دو ہی ہیں اور ان دونوں کاموں میں ہم متوازی اور متوازن نہیں چلیں گے تو ہماری ناکامی یقینی ہوجائے گی ۔

عدم توازن کی چند مثالیں

میری اس وقت کی گفتگو میں پہلا تحفہ علمی تھا' وہ روحانی غذا ہے' قرآن مجید کی سورۂ فاطر کی آیت نمبر ۱۰ ۔ عملی تحفوں میں سے پہلا تحفہ یہی ہے جو ابھی بیان کیا۔

اس ضمن میں نام لئے بغیر میں عدم توازن کی چند مثالیں دینا چاہتا ہوں۔ لیکن ان لوگوں کو خود سمجھ لینا چاہیے جن کی طرف اشارہ ہے۔ میں چونکہ مغرب کے وقت آیا ہوں تو اس سے پہلے دیکھا کہ کراچی کے ایک رفیق کٹی پتنگ کی طرح پھر رہے تھے اور جب میں نے پوچھا کہ آپ عصر کے بعد والے پروگرام میں کیوں نہیں گئے تو کہنے لگے میں نے سوچا تھا وہاں بس ہدایات ہی ہونگی۔ میں نے اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون پڑھا۔ بعد میں انہوں نے اگرچہ عذر بھی پیش کیا کہ رات جاگنے کی وجہ سے نیند زیادہ آئی۔ اگر اصل عذر یہی تھا تو اعتراض کی گنجائش نہ تھی کہ یہ طبعی معاملہ ہے' طبیعت خراب ہوسکتی ہے۔ لیکن جو پہلی بات کہی' وہ بہت غیر متوازن ذہن کی عکاسی کرنے والی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہدایات بالکل غیر ضروری ہیں ؟۔ اگر آپ "سمع" نہیں کریں گے تو "طاعت" کیسے ہوگی۔ طاعت کے لئے سمع لازم ہے ــــ "فَاسْمَعُوا وَاَطِیْعُوْا" سنو اور اطاعت کرو۔ اگر آپ اس سمع سے ہی اپنے آپ کو بَری کرلیں تو طاعت کا کیا سوال! اس سے بھی بہت زیادہ نمایاں مثال ہے ہمارے ایک اور ساتھی کی۔ اللہ نے ان کو بڑی صلاحیت دی' عربی کی تدریس اور قرآن مجید کے درس کے اعتبار سے میرے چوٹی کے ساتھیوں میں انکا شمار ہوتا ہے لیکن تنظیم میں صِفر' آج تک ملتزم رفیق بھی نہیں بنے۔ اگر آپ نے صحیح فکر لے لیا ہے اور اسے بیان بھی کرسکتے ہیں پھر بھی نظم کی پابندی کرنے کو تیار نہیں تو آپ دوسروں سے بڑھ کر مجرم ہیں۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ کوئی ساتھی سقراط بقراط بن جائے لیکن نظم کی پابندی نہ کرے تو وہ تنظیم کے لئے بیکار ہے۔ صرف اپنا ایک ذاتی نقشہ کار بنا لینا کافی نہیں۔ ملتزم ہوں' اس کی ساری شرائط کو پورا کریں' تمام مراحل طے کریں' تب ہمارے کام کے ہوں گے۔ اسی طرح یہ سمجھ لینا کہ میں تو تنظیم کو ایک پیسہ دینے کے لئے تیار نہیں' میرے کچھ قریبی اعزّہ ہیں جو میری مدد کے زیادہ مستحق ہیں تو یہ غلط بات ہے۔ اعزّہ و اقربا کے لئے صدقات کا کھاتہ کھلا ہوا ہے اور تنظیم کے نظام العمل میں بھی اس کا ذکر موجود ہے' لیکن تنظیم میں اگر آپ ماہانہ اعانت نہیں دیں گے تو آپ ملتزم شمار نہیں ہونگے۔ ملتزم نہیں ہونگے تو آپ تنظیم کے تنظیمی ڈھانچے کے اندر نہیں آسکیں گے۔ آئندہ کے لئے میں سخت تنبیہہ کر رہا ہوں کہ اس میں توازن

کی ضرورت ہے۔ دونوں کام اپنی جگہ پر توازن کے ساتھ ہونے چاہئیں۔ اگر توازن نہیں ہوگا تو ہماری گاڑی نہیں چلے گی۔ جو لوگ نظم کی پابندی نہ کریں ہم انہیں اپنا اصل اثاثہ شمار نہیں کرسکتے۔

نظامِ بیعت کے مضمرات

دوسرا عملی تحفہ نظامِ بیعت کے بارے میں ہے۔ بیعت کے بعض لوازم کے بارے میں مجھے اندازہ ہوا ہے کہ وہ ابھی تک اچھے اچھے لوگوں پر بھی واضح نہیں۔ اصولی طور پر بات تسلیم کرلی گئی ہے' کچھ وزنی بھی ہے' دل کو لگتی ہے' کتاب و سنت میں دلائل بھی ہیں' متفق علیہ حدیث بھی ہے' ساری چیزیں ہیں' لہٰذا بیعت کا معاملہ ٹھیک ہے---- اللہ کا شکر ہے کہ اس حد تک بھی بات آگئی' لیکن اس کے کچھ مضمرات و مقدرات ہیں جن کو میں آج پھر کھول کر بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ان کا بھی درجہ بدرجہ انکشاف ہوگا اور اس تدریج میں بھی کوئی حرج نہیں۔ تاہم اس کی باریکیوں میں جاکر اور گہرائیوں میں اتر کر بتایا جانا چاہیے تاکہ تذکیر ہو۔ پہلے یہ سمجھئے کہ بیعت کیا ہے اور کوئی کسی سے بیعت کیوں کرتا ہے ؟۔ ظاہر ہے کہ جتنا گہرا کسی کے اندر احساسِ فرض ہوگا اتنی ہی اضطراری کیفیت ہوگی کہ اس کی ادائیگی کے لئے ضرور اپنے آپ کو کسی کے ساتھ منسلک کیا جائے۔ بھوک شدید ہو تو انسان کو سوکھی روٹی میں بھی قنجن اور پلاؤ کی لذت آئے گی' بھوک نہیں تو اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے کی طرف بھی رغبت نہیں ہوگی اور احساس فرض بھی ایک بھوک ہی ہے۔ اگر تو یہ تصور پختہ ہو کہ اقامتِ دین کی جدوجہد فرض ہے تو آدمی بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ بہت اعلیٰ غذا نہیں ملے گی تو کم پر گزارہ کرلے گا لیکن روٹی کے بغیر تو گزارہ نہیں ۔ اسی طرح اگر روحانی پیٹ کھانے کو مانگے گا تو سوچ کا انداز بدل جائے گا۔ ورنہ آپ مردِ کامل کے انتظار میں بیٹھے رہیے' نبوت کا دروازہ بند ہوچکا' اب کوئی معصوم نہیں تو مردِ کامل کہاں سے ملے گا!

اگلا سوال یہ سامنے آئے گا کہ کسی سے بیعت س بنیاد پر ہو؟ اس سلسلے میں دو امور فیصلہ کن ہیں۔ یعنی ایک تو اس کی سوچ اور فکر سے مجموعی اتفاق کیونکہ کامل

اتفاق دو انسانوں میں ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر ایسا ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ کی خلاقیت محدود ہے اور اس نے انسانوں میں کاربن کاپیاں بھی بنائی ہیں جو ہرگز نہیں بنائیں۔ اس کے ہاں تو بوقلمونی ہے' یکسانیت نہیں۔ دو انسانوں کے مزاج ایک سے نہیں ہیں' مزاج کیا ایک جیسا ہو گا دو انسانوں کے انگوٹھوں کے نشان تک ایک جیسے نہیں۔ گویا کہیں نہ کہیں جزوی اختلاف ہو گا لیکن اصولی اعتبار سے اور مجموعی طور پر ایک بلیو پرنٹ پر اتفاق ہو جانا کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس پر دلی اعتماد ہو جائے۔ یقین تو نہیں ہو سکتا' کیونکہ دلوں کی نیت اللہ ہی جانتا ہے اور یہ اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہے۔ جس حد تک دیانت داری سے رائے قائم کر سکتا ہو اور دل گواہی دے دے کہ یہ بہروپیا نہیں ہے اور یہ اقامت دین کے کام کی اوٹ میں دنیا کا کاروبار نہیں کر رہا تو ایسے شخص کی بیعت لازم ہے۔ پھر اس سے انحراف کی اجازت نہیں۔ اسی طرح بیعت کو توڑا بھی نہیں جا سکتا سوائے دو صورتوں کے۔ ایک مرتبہ اگر متذکرہ بالا دو مراحل کو طے کر کے بیعت کی ہے تو کسی وقتی تدبیر سے اختلاف کر کے علیحدگی اختیار کر لینا میرے نزدیک حرام ہے' ہرگز جائز نہیں' اِلّا یہ کہ ثابت کر دیا جائے کہ وہ خاص تدبیر کتاب و سنّت کے منافی ہے۔ منکر میں اطاعت نہیں ہو گی لیکن منکر کو ثابت کرنے کے لئے حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ "اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَکُمْ فِیْہِ مِنَ اللّٰہِ بُرْھَانٌ" یعنی سوائے اس کے کہ تم کفر صریح دیکھو اور اس کے لئے تمہارے پاس کتاب و سنت سے دلیل موجود ہو۔ وہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ "لَا سَمْعَ وَلَا طَاعَۃَ" اور اپنا راستہ جدا کر لینا آپ پر فرض ہو گا لیکن بیعت سمع و طاعت فی المعروف کے بعد محض تدبیر کے اختلاف پر بیعت توڑنا میرے نزدیک جائز نہیں۔

دوسری صورت یہ کہ یہ خیال پیدا ہو جائے کہ جس سے بیعت کی اس کی تو نیت ہی میں فتور ہے' کیونکہ جب تک نیت پر اعتماد ہو اختلاف دور ہو سکتا ہے۔ سوچ کا انداز یہ ہو گا کہ میں بات کہتا رہوں گا اور آخر کار اللہ تعالیٰ ان کے دل کو بدل دے گا ورنہ غلط بات کے نتائج نکلنے پر تو وہ خود ہی باز آجائیں گے۔ گویا اختلاف برقرار رہ سکتا ہے لیکن جو اس کے مناسب راستے ہیں' وہی اختیار کئے جائیں۔ تاہم اگر محسوس ہو کہ اس شخص کی نیت میں فتور ہے یا یہ کہ ٹھیک چلا تھا لیکن شیطان نے بعد میں

چکمہ دیا اور نیت غلط ہوگئی تو علیحدگی بھی فرض ہے۔ اپنے دل سے پوچھئے کیونکہ آپ اپنے ضمیر کے علاوہ اللہ کے ہاں بھی مسئول ہونگے' تاہم یہ فیصلہ شعوری ہونا چاہیے۔ شعوری سے مراد یہ کہ ایسے ہی کبھی دل میں کوئی وسوسہ آجائے تو یہ بات مختلف ہے۔ وسوسے تو ہر کسی کے متعلق آتے ہی رہتے ہیں۔ وسوسے تو صحابہ کرامؓ کو بھی ایسے ایسے آتے تھے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہتے تھے ہمارے دل میں ایسے ایسے وسوسے آتے ہیں کہ ہم ان کو بیان کرنے کی بجائے اس کو ترجیح دیتے ہیں کہ ہمیں آگ میں جلا دیا جائے۔ حضورؐ نے فرمایا کیا واقعی تم لوگ ایسا محسوس کرتے ہو ؟۔ عرض کیا ہاں' تو فرمایا یہی تو ایمان ہے۔ وسوسہ آئے اور اس پر اس شدّت کے ساتھ ردِّ عمل پیدا ہو تو یہی ایمانِ حقیقی کی علامت ہے۔

بہر حال اگر نیت اور خلوص پر اعتماد نہیں رہا تو انسان کو شعوری طور پر فیصلہ کرنا اور پھر اس کا اعلان کرنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ کام تو درست ہے' نیت بھی صحیح ہے لیکن .....! یہ لیکن ایک دھوکہ ہے' فراڈ ہے۔ یا تو صاف کہا جائے کہ نیت درست نہیں' ورنہ درویشی کا یہ انداز اختیار کرنا کہ نہیں صاحب میں نیت پر تو شک نہیں کرتا لیکن بس یہ ہے' وہ ہے۔ یہ ہرگز کوئی معقول رویہ نہیں۔ بیعت سمع و طاعت وہ چیز نہیں ہے کہ یوں آسانی کے ساتھ تعلق توڑیں اور چل دیں۔ اور یہ نتیجہ ہے اصل بات کو نہ سمجھنے کا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ محض اختلاف کی بنیاد پر علیحدہ ہونا جائز نہیں اِلّا یہ کہ آپ کے پاس برہان ہو کہ یہ بات منکرات کی فہرست میں آگئی ہے۔ یا پھر نیت پر شبہ ہوگیا ہے تو آپ بر ملا کہیں۔ اس کے سوا فسخ بیعت کی کوئی صورت جائز نہیں ہے۔

ضرورت ہے کہ آپ میں سے ہر شخص اپنے ذہن کو صاف کرے۔ اگر یہ دو شرطیں پوری ہو رہی ہیں یعنی میرے فکر سے مجموعی اتفاق ہے اور دل گواہی بھی دیتا ہے کہ میری نیت نیک ہے تو پھر شعوری طور پر اپنے دل میں تجدید بیعت کر لیجئے اور پھر اس کے لوازمات پورے کرنے کی طرف پوری توجہ دیجئے۔ یہ دنیوی معاملہ نہیں' خالص دینی معاملہ ہے جس کے بارے میں ہے کہ جو وفا کرے گا اس کا درجہ بہت بلند ہے لیکن جس نے اس کو فسخ کیا وَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ اس کا سارا وبال

فسخ کرنے والے پر ہوگا' میرا اس میں کوئی نقصان نہیں۔

ایک اور اہم بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ ایثارِ انا کے باب میں ہے۔ منافق یہ کہتے تھے کہ آخر یہ (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) بھی تو انسان ہیں' ان کی بات کیوں مانیں۔ ہاں اللہ کا جو پیغام پہنچا دیا وہ مانیں گے اور یہ کہ "هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ" فیصلہ کرنے میں ہماری رائے کی بھی کوئی حیثیت ہے یا نہیں! آخر قرآن کی آیت تو نہیں تھی کہ غزوۂ احد میں باہر جا کر مقابلہ کیا جائے۔ یہ تو حضورؐ کی اجتہادی رائے تھی۔ اس فیصلے کو ہم کیوں مانیں۔ یہ ہے انا کا اصل مسئلہ۔ خوب سمجھ لیجئے کہ بیعت کے بعد تو ایثارِ انا کرنا ہوگا کہ میری جو بات کتاب و سنّت کے خلاف ثابت نہیں کی جاسکتی' اس میں آپ کی رائے کتنی ہی خلاف ہو' اطاعت تو کرنی ہے۔ اس میں اصل چیز شخصیت اور انا کا ایثار ہے اور یہی کٹھن منزل ہے' کیونکہ انسان کا اصل مرض تکبر ہے جیسے کہ اس آیت میں آیا جو میں نے آج پڑھی ہے "اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ"۔ شیطنت بھی تکبر ہی کا نام ہے "اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ"۔ پھر میرے رفقاء میں کسی کو یہ خیال بھی ہوسکتا ہے کہ عبادات میں وہ مجھ سے افضل ہے' یا ہوسکتا ہے کہ وہ اتّباعِ سنت میں مجھ سے آگے ہو اور کسی کا ایسا ہی کوئی اور خیال ہوسکتا ہے۔ تو میں یہ بات مانتا ہوں کہ کوئی بھی ساتھی کسی معاملے میں مجھ سے آگے ہوسکتا ہے' تاہم اس سے میرا یہ تعلق تو دو چیزوں کی بنیاد پر ہے' میرے فکر سے مجموعی اتفاق پر اور میری نیت کے صحیح ہونے پر دل کا اطمینان۔ ان دونوں چیزوں میں اگر کوئی گڑبڑ نہیں تو پھر ساتھ چھوڑنے کا جواز نہیں۔

کچھ ذاتی فیصلے

آخر میں میرے کچھ ذاتی فیصلے ہیں جو میں آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ پہلا فیصلہ یہ ہے کہ میں اب تدریجاً پس منظر میں چلا جاؤں گا۔ میری "رو پوشی" جو اس اجتماع کے دوران میں رہی' کچھ مزید بڑھے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ اب دوسری صف آگے آئے' انتظامی معاملات وغیرہ وہاں طے ہوا کریں۔ اس تحریک کے لئے اب اصل ضرورت یہ ہے کہ یہ دوسری صف ایک بنیانِ مرصوص بن کر کام کرے۔ جو چیزیں ان کے

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

رفتارِ کار

سالانہ رپورٹ
حلقہ خواتین تنظیمِ اسلامی
از فروری ۹۱ء تا فروری ۹۲ء

تنظیم اسلامی میں خواتین کا مختصر حلقہ ۱۹۸۴ء میں قائم ہوا۔ اسکی کارکردگی کا جائزہ گزشتہ دو سال سے سالانہ اجتماع کے موقع پر مختصر رپورٹ کی صورت میں لیا جاتا رہا ہے۔

شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کی ذمہ داری اگرچہ اصلاً مردوں پر ہی عائد ہوتی ہے' تاہم اگر مردوں کو گھر کی خواتین کی طرف سے مکمل تعاون نہ ملے اور انہیں اپنی اولاد کی صحیح دینی تعلیم و تربیت کے بارے میں اطمینان نہ ہو تو وہ اپنے اس فریضے کو بحسن و خوبی ادا نہیں کر سکیں گے۔ ان باتوں کے پیش نظر خواتین کی دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام ناگزیر محسوس ہوتا ہے اور اس بات کا شدّت کے ساتھ احساس ہوتا ہے کہ خواتین میں دین کا فہم و شعور عام کیا جائے۔ خصوصًا تنظیم میں شامل رفقاء کی خواتین کی اصلاح اس طریقے پر ہو کہ ایک طرف تو وہ اقامتِ دین کی جدّوجہد میں اپنے مردوں کی ممد و معاون ثابت ہوں اور دوسری طرف وہ اپنی گودوں میں پلنے والی آئندہ نسل کی صحیح تربیت بھی کر سکیں۔

ہمارے دین کا مزاج یہ ہے کہ وہ مرد اور عورت کے علیحدہ علیحدہ دائرہ ہائے کار متعیّن کرتا ہے۔ مردوں کا دائرہ کار گھر سے باہر معاش کے لئے جد و جہد کرنا اور اللہ کے دین کو اسکی سرزمین پر قائم اور غالب کرنے کیلئے کوشاں رہنا ہے۔ لیکن اسکے برعکس عورت کا دائرہ کار اسکا اپنا گھر ہے' جہاں پر اسے اپنی اور اپنے بچوں کی دینی تربیت کرنی ہے اور اپنے دائرہ کار کے اندر محدود رہتے ہوئے اپنے ان فرائض کو بجا لانا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر عائد ہوتے ہیں' کیونکہ مسئولیت کے اعتبار سے دونوں اپنی اپنی جگہ ذمہ دار ہیں۔ از روئے حدیث نبوی: کُلُّکُم راعٍ وَ کُلُّکم مَسئُولٌ عن رعیّتہٖ

دین اسلام در حقیقت دینِ فطرت ہے۔ دین میں عورت کا دائرہ کار گھر کی چار دیواری تک اس لیے محدود رکھا گیا ہے کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے شرم و حیا رکھی ہے اور وہ گھر کے اندر رہنے کو باہر نکلنے پر ترجیح دیتی ہے' سوائے ان خواتین کے جو مغرب کی اندھی تقلید میں اپنی فطرت مسخ کر ڈالتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو گھر کے اندر رہنے کا حکم دیا ہے اور کسی مجبوری کے بغیر عورت کا گھر سے باہر نکلنا ناپسندیدہ ہے۔ اگر کسی ضرورت کے تحت عورت باہر نکلتی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو پوری طرح ڈھانپ کر باہر نکلے۔ ازروئے قرآن:

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی۔

یعنی اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور اس طرح بن سنور کر باہر نہ نکلا کرو جیسے جاہلیت کے زمانے میں ہوتا تھا۔۔۔۔ اسی احساس کے پیش نظر محدود دائرے میں رہتے ہوئے تنظیم میں حلقہ خواتین کا قیام عمل میں آیا۔ اور "بیعتُ النّساء" کے ضمن میں وارد قرآنی الفاظ کے حوالے سے ان سے بیعت لی گئی۔

دائرہ کار کی محدودیت اور دیگر Limitations کی بناء پر حلقۂ خواتین کی کارکردگی بھی محدود ہی ہے۔ البتہ گزشتہ دو سال سے مرد حضرات کے تعاون کی وجہ سے حلقہ خواتین کافی وسعت پذیر ہوا ہے۔ تنظیم میں حلقہ خواتین کے قیام کے وقت ۱۹ خواتین نے امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب دامت برکاتہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی' جبکہ اِسوقت تنظیم میں شامل خواتین کی تعداد ۱۸۰ ہے۔ حلقۂ خواتین کی ناظمہ امیر محترم کی زوجہ محترمہ ہیں۔ ذیل میں تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کے زیر اہتمام مختلف شہروں میں ہونے والے دعوتی' تربیتی اور تنظیمی پروگراموں کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

☆ لاہور

مردوں کے حلقے کی طرح خواتین کا بھی سب سے فعّال تنظیمی حلقہ لاہور ہی میں ہے۔ اس میں تقریباً ۹۰ خواتین شامل ہیں۔ یہاں پر محترمہ ناظمہ صاحبہ کی نگرانی میں مختلف مقامات پر اجتماعات اور دروسِ قرآن کے علاوہ ترجمۂ قرآن' تعلیمِ حدیث اور تدریسِ عربی کی کلاسیں ہوتی ہیں' جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اجتماعات

۱) ہر ماہ کی پہلی اتوار کو قرآن اکیڈمی، ۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن میں ماہانہ اجتماعِ خواتین ہوتا ہے۔ اسکا آغاز ۸۳ء سے ہی ہو گیا تھا اور اللہ کے فضل و کرم سے بدستور جاری ہے۔ حاضری ۱۰۰ سے تجاوز کر جاتی ہے۔ دوسرے اجتماعات کی نسبت ہمارا یہ اجتماع ماشاء اللہ بہت کامیاب جارہا ہے۔ یہاں پر امیر محترم کی کتب اور کیسٹس کا سٹال بھی لگایا جاتا ہے، جس سے رفیقات کے علاوہ دیگر خواتین بھی استفادہ کرتی ہیں اور اس ذریعے سے خواتین میں اپنے دینی فرائض کا شعور و ران کی ادائیگی کا ذوق و شوق پیدا ہو رہا ہے۔

۲) ہر ماہ کی دوسری پیر کو پیپلز کالونی فیروز والا میں تنظیم کے رفیق زاہد وحید صاحب کی رہائش گاہ پر اجتماع ہوتا ہے۔ یہاں پر حاضری ۸۰ تک ہو جاتی ہے۔ یہ اجتماع گزشتہ چھ ماہ سے ہو رہا ہے۔

۳) ہر ماہ کی پہلی پیر کو راوی روڈ پر محمد احمد صاحب کی رہائش گاہ (۲۴۔مین بازار قصور پورہ) پر اجتماع ہوتا ہے، جو ۸۶ء سے ہو رہا ہے، مگر حاضری ۲۵ تک ہی ہوتی ہے۔

۴) ہر ماہ کی تیسری پیر کو قرآن اکیڈمی میں خواتین کا ایک تربیتی پروگرام ہوتا ہے، جو نہایت مؤثر ثابت ہوا ہے۔ اس میں قرآن حکیم کا منتخب نصاب زبانی یاد کروایا جارہا ہے۔ چالیس احادیث مع ترجمہ و حوالہ یاد کروائی گئی ہیں۔ امیر محترم کی کتب کا اجتماعی مطالعہ شروع کیا گیا ہے۔ اسکے علاوہ جن خواتین نے دو سال قبل ترجمۂ قرآن مکمل کر لیا تھا ان سے ترجمہ اور مختصر تشریح سنی جاتی ہے۔ یہ اجتماع ۸۷ء سے ہو رہا ہے اور اکیڈمی کی خواتین اس سے زیادہ استفادہ کر رہی ہیں۔

۵) ہر ماہ کی آخری پیر کو گورنمنٹ چوبرجی کوارٹرز میں فیاض حکیم صاحب کی رہائش گاہ (کوارٹر نمبر ۳۶۔بی) پر اجتماعِ خواتین ہوتا ہے۔ یہ اجتماع ۸۸ء میں شروع ہوا تھا۔ یہاں پر منتخب نصاب کا درس مکمل ہو چکا ہے۔ عام طور پر ۲۵ سے ۳۰ تک خواتین ہی شرکت کرتی ہیں۔

۶) ہر مہینے کی پہلی جمعرات کو طارق بلاک نیو گارڈن ٹاؤن میں میجر طارق صاحب کے ہاں درس قرآن ہوتا ہے۔ اسکا آغاز گزشتہ سال ہوا تھا۔ یہاں بھی خواتین تقریباً ۳۰ تک ہو جاتی ہیں۔

۷) ہر ماہ کی دوسری جمعرات کو اسلام پورہ میں نواز سیال صاحب کی رہائش گاہ (۶۸۔ جمال سٹریٹ، چوہان روڈ) پر اجتماع ہوتا ہے۔ یہ اجتماع بھی تقریباً ڈیڑھ سال قبل شروع ہوا تھا۔ یہاں پر خواتین کی حاضری ۴۵ سے ۵۰ تک ہو جاتی ہے۔

۸) ہر ماہ کی تیسری جمعرات کو فیصل ٹاؤن میں اجتماع خواتین ہوتا ہے، جسمیں ۳۰ کے قریب خواتین شرکت کرتی ہیں۔

۹) ہر ماہ کی آخری جمعرات مصطفیٰ آباد میں اقبال حسین صاحب کی رہائش گاہ (مکان نمبر ۱۸۹، گلی نمبر ۷، گلستان کالونی) پر اجتماع خواتین ہوتا ہے۔ یہاں خواتین کی تعداد قریباً ۳۰ ہوتی ہے۔

کلاسز

دعوتی و تربیتی اور تنظیمی اجتماعات کے علاوہ حسب ذیل مقامات پر ترجمۂ قرآن، حدیث، تجوید، اور عربی گرائمر کی ہفتہ وار کلاسیں ہوتی ہیں:

۱) ہر منگل کو قرآن اکیڈمی میں ۴ بجے شام ترجمہ قرآن کی کلاس ہوتی ہے۔

۲) ہر منگل کو قرآن کالج میں ۱۰ بجے صبح ترجمہ قرآن، حدیث اور تجوید کی کلاس ہوتی ہے۔

۳) ہر منگل کو ٹاؤن شپ میں جناب اقتدار احمد صاحب کی رہائش گاہ پر ۴ بجے شام ترجمہ قرآن کی کلاس ہوتی ہے۔

۴) ہر بدھ کو قرآن اکیڈمی میں ۴ بجے شام ترجمۂ قرآن، عربی گرامر اور تجوید کی کلاس ہوتی ہے۔

۵) ہر اتوار کو مسلم ٹاؤن میں ایک رفیقہ تنظیم کی رہائش گاہ پر ۱۰ بجے صبح ترجمۂ قرآن، حدیث، تجوید اور عربی گرامر کی کلاس ہوتی ہے۔

۶) ہر جمعرات کو گڑھی شاہو میں تنظیم کے مرکزی دفتر (۶۷۔اے علامہ اقبال روڈ، فون ۳۰۵۱۱۰) میں ۱۰ بجے صبح ترجمۂ قرآن اور تجوید کی کلاس ہوتی ہے۔

۷) ہر جمعہ کو مسلم ٹاؤن میں احمد مجتبیٰ صاحب کی رہائش گاہ پر بچوں کی کلاس ۴ بجے شام منعقد ہوتی ہے۔ یہاں بچوں کو ان کی عمر کے حساب سے مختلف کلاسوں میں بٹھایا جاتا ہے اور انہیں قرآن حکیم کی تعلیم کے علاوہ دین کی بنیادی باتوں سے بھی متعارف کروایا

جاتا ہے۔ بچوں کو نبیوں کے واقعات بھی سنائے جاتے ہیں جو وہ خصوصی توجہ اور دلچسپی سے سنتے ہیں۔

حلقہ خواتین کے دفتر کا قیام

حال ہی میں قرآن اکیڈمی ۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن میں حلقہ خواتین کے ایک آفس کا قیام بھی عمل میں آیا ہے۔ یہاں سے ناظمہ صاحبہ کی نگرانی میں تنظیم میں شامل خواتین کو نہ صرف ہدایات روانہ کی جاتی ہیں بلکہ خواتین کو دین کے حوالے سے ان مسائل کے حل سے بھی آگاہ کیا جاتا ہے جو انہیں درپیش ہوتے ہیں۔

سالانہ اجتماع خواتین

خواتین کا پہلا سالانہ اجتماع ۲ جون ۹۱ء کو قرآن اکیڈمی لاہور میں منعقد ہوا۔ اس میں دُور دراز سے خواتین کو شرکت کی زحمت نہیں دی گئی تھی۔ تاہم لاہور کے علاوہ شاہدرہ' فیروز والا اور فیصل آباد کی خواتین نے بھی اس اجتماع میں شرکت کی۔ حلقہ خواتین کے قیام کے بعد یہ پہلا سالانہ اجلاس بہت کامیاب اور مفید رہا۔ حاضری ۴۰۰ کے لگ بھگ تھی۔ یہ پروگرام صبح ۹ بجے شروع ہوا اور شام چھ بجے تک جاری رہا۔ اجلاس کا آغاز سورۃ القیامہ کی آیات کی تلاوت اور ان کے ترجمہ و تشریح سے ہوا۔ بعد ازاں محترمہ ناظمہ صاحبہ کے افتتاحی خطاب کے بعد امیر محترم نے "مسلمان خواتین کے دینی فرائض" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔(امیر محترم کا یہ خطاب ترتیب و تسوید کے بعد جولائی ۹۱ء کے 'میثاق' میں شائع کر دیا گیا تھا۔)

امیر محترم کے خطاب کے بعد تنظیمی بہنوں نے تنظیم اسلامی کی دعوت' اسلام اور عورت' اسلام میں پردے کی اہمیت اور حقوق الزوجین وغیرہ جیسے موضوعات پر اظہار خیال کیا۔ اس اجتماع میں خواتین کی سب سے زیادہ دلچسپی اور توجہ کا باعث چند تنظیمی بہنوں کا تنظیم اسلامی میں شمولیت کے بارے میں اظہارِ خیال تھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ کس بات سے متاثر ہو کر تنظیم میں شامل ہوئیں اور اس راہ میں انہیں کیا کیا مشکلات پیش آئیں۔ خواتین کے اس اجتماع کی کارروائی اور شرکاء اجتماع کے تاثرات پر مبنی روداد جولائی ۹۱ء کے 'میثاق' میں شائع ہو چکی ہے۔

سہ روزہ تربیت گاہ

ماہ اکتوبر ۹۱ء میں حلقہ خواتین لاہور کی طرف سے ایک سہ روزہ تربیت گاہ منعقد کی گئی۔ چونکہ یہ تربیت گاہ اصلاً لاہور کی رفیقات کے لئے تھی' لہٰذا یہاں پر خواتین کی رہائش کا انتظام نہیں کیا گیا۔ اسکے اوقات صبح ۱۰ بجے تا دوپہر ۱ بجے تک تھے۔ اس پروگرام کو بہت زیادہ پسند کیا گیا۔ ان تین دنوں میں خواتین کی حاضری ۱۵۰ سے بھی تجاوز کر جاتی تھی۔ مختلف رفیقات نے اس دوران مندرجہ ذیل موضوعات پر خطاب فرمایا:
۱۔ توحید ۲۔ رسالت ۳۔ آخرت ۴۔ پردہ ۵۔ فقہ اسلامی ۶۔ آداب زندگی ۷۔ تجوید ۸۔ بچوں کی دینی تربیت

پروگرام کے آخری روز امیر محترم نے بھی خواتین سے خطاب فرمایا اور انہیں ان کے دینی فرائض کے حوالے سے یاددہانی کرائی۔ انہوں نے ان کارکن خواتین کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی جنہوں نے اس پروگرام کو کامیاب بنانے کیلئے محنت کی تھی۔ اختتام پر ناظمہ صاحبہ نے بھی خواتین سے مختصر الوداعی خطاب فرمایا اور دعا کے ساتھ یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔

الغرض حلقہ خواتین لاہور اللہ کے فضل و کرم اور اسکی توفیق و تائید سے اپنی ہمت و استطاعت کے مطابق دین کی خدمت میں مصروف ہے۔ اس موقع پر اگر قرآن اکیڈمی لاہور کی انتظامیہ کا شکریہ ادا نہ کیا جائے تو یہ ایک طرح سے ناانصافی ہوگی۔ انتظامیہ نے' جس کے سربراہ سراج الحق سید صاحب ہیں' قرآن اکیڈمی میں ہونے والے جملہ پروگراموں کے دوران خواتین کو ہر قسم کی سہولیات مہیا کیں' جسکی وجہ سے خواتین کو کسی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور ان کے تمام پروگرام بحمد اللہ نہایت کامیاب رہے۔

☆ ☆ ☆

اب ان اجتماعات کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا تعلق بیرون لاہور سے ہے اور جن میں سے اکثر اجتماعات مردوں ہی کی زیر نگرانی ہو رہے ہیں' کیونکہ اکثر شہروں میں تنظیم کی خواتین کی تعداد بہت کم ہے۔

☆ کراچی

کراچی میں اللہ کے فضل و کرم سے گزشتہ سال سے حلقہ خواتین خاصا فعال ہوا ہے' جسکی وجہ کراچی میں قرآن اکیڈمی کا قیام اور تنظیم میں شامل چند نو وارد خواتین ہیں 'جو اللہ کی توفیق سے دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ یہاں تنظیم میں شامل خواتین کی تعداد ۴۷ ہے۔ حال ہی میں امیر محترم نے اپنے دورۂ کراچی کے دوران حلقہ خواتین کراچی کو تین اسروں یعنی ۱۔ ڈیفنس ۲۔ گلشن اقبال اور ۳۔ ناظم آباد میں تقسیم کیا۔

☆ اسرہ نمبر ۱ (ڈیفنس) میں آٹھ خواتین شامل ہیں۔ یہاں کی نقیبہ اہلیہ محترمہ ایس ایم انعام صاحبہ ہیں۔ یہ اسرہ ماشاء اللہ خاصا فعال ہے۔ ایس ایم انعام صاحب اور انکے اہل خانہ دین کے اس کام کو آگے بڑھانے میں بہت ممد و معاون ثابت ہو رہے ہیں' انہوں نے اپنے گھر پر خواتین کے استفادہ کیلئے ایک لائبریری قائم کی ہے' جس میں تنظیم کا جملہ لٹریچر اور امیر محترم کی تقریباً تمام آڈیو اور ویڈیو کیسٹس موجود رہتی ہیں۔ خواتین اس سے کافی فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ (ایس ایم انعام صاحب کے گھر کا ایڈریس ۴۷۔ بی' خیابان شمشیر' ڈیفنس فیز ۵ کراچی ہے۔) اس اسرے کے تحت جو پروگرام ہوتے ہیں انکی تفصیل درج ذیل ہے:

○ اپریل ۹۱ء سے قرآن اکیڈمی کراچی میں خواتین اور بچوں کی ہفتہ وار کلاسیں شروع کی گئیں جو اللہ کے فضل سے پابندی سے جاری ہیں۔ یہ کلاسیں ہر ہفتے کے دن بعد نماز عصر ہوتی ہیں۔

○ ہر اتوار کو کلفٹن میں درس قرآن ہوتا ہے۔

○ ہر منگل کو شام ۳ سے ۵ بجے قرآن اکیڈمی کراچی میں تدریس عربی کی کلاس ہوتی ہے' جس میں ۲۵ سے ۳۰ تک خواتین شرکت کرتی ہیں۔

○ ہر بدھ کو ۳۰۔۳ تا ۵ بجے نقیبہ صاحبہ کے گھر پر قرآن مجید ناظرہ' لفظی ترجمہ اور حدیث کی کلاس ہوتی ہے۔

○ ہر جمعہ کو قرآن اکیڈمی میں درسِ حدیث اور منتخب نصاب کا درس دیا جاتا ہے۔

یہ وہ پروگرام تھے جو الحمد للہ پابندی سے جاری ہیں۔ انکے علاوہ حسب ذیل پروگرام بھی اس سال کے دوران منعقد ہوتے رہے:

○ جون ۹۱ء میں کل کراچی کی سطح پر خواتین کا ایک اجتماع عام منعقد ہوا۔
○ فروری ۹۱ء میں اسرہ نمبر۱ کے ماہانہ اجتماع کے موقع پر رفیقات کے علاوہ عام خواتین نے بھی شرکت کی، جس میں حاضری ۴۵ اور ۵۰ کے درمیان رہی۔ اس میں شرکت کیلئے محلے میں عام دعوت نامے تقسیم کئے گئے۔
○ مارچ ۹۱ء میں رمضان المبارک کے دوران خواتین کے تمام پروگرام معطل رہے۔ صرف سولجر بازار میں دورۂ ترجمۂ قرآن ہوا۔ ترجمہ ایس ایم انعام صاحب کی صاجزادی نے بیان کیا۔ اس میں قریباً ۳۰ خواتین نے پابندی سے شرکت کی۔
○ اپریل ۹۱ء کے ماہانہ اجتماع میں امیر محترم کا خطاب ہوا۔ اس موقع پر ناظمہ صاحبہ کا خطاب بھی ہوا، جو الحمد للہ نہایت کامیاب رہا۔ اس اجتماع میں قریباً ڈیڑھ سو خواتین نے شرکت کی۔
○ ماہ اگست کے دوران قرآن اکیڈمی کراچی میں ایک بھرپور چودہ روزہ تربیتی اجتماع ہوا، جس میں خواتین کی تعداد توقع سے کافی زیادہ رہی۔ یہ اجتماع نہایت کامیاب رہا اور خواتین نے اسے نہایت پسند کیا۔

☆ اسرہ نمبر۲ گلشن اقبال کا ہے۔ اس اسرہ کی نقیبہ اہلیہ محترمہ سید تسیم الدین صاحبہ ہیں۔ اس اسرہ میں فی الحال ایک ماہانہ اجتماع ہوتا ہے (مقام اجتماع ۱۴۵۔ بی گلشن اقبال ڈی۔ا۔ربی۔۱۳ کراچی، فون:۴۶۶۴۷۵) اس اجتماع میں درس قرآن اور درس حدیث کے علاوہ کسی ایک موضوع پر مختصر گفتگو ہوتی ہے۔ ماہانہ اجتماع خواتین ہر مہینے کے تیسرے ہفتہ کو ہوتا ہے۔ اس سلسلے کا پہلا اجتماع ۲۲ فروری ۹۲ء کو ہوا جسمیں قریباً ۳۴ خواتین شامل ہوئیں۔ یہ پروگرام بفضلہ خاصا کامیاب رہا۔

☆ اسرہ نمبر۳ ناظم آباد کا ہے۔ اس اسرہ کی نقیبہ والدہ محترمہ اختر ندیم صاحبہ ہیں۔ یہاں بھی صرف ایک ماہانہ اجتماع ہوتا ہے۔ پہلا اجتماع ۲۹ فروری ۹۲ء کو تنظیم اسلامی وسطی کراچی کے دفتر واقع مین روڈ نارتھ ناظم آباد کراچی میں ہوا، جو الحمد للہ بہت کامیاب رہا۔ اسمیں قریباً ۵۵ خواتین نے شرکت کی۔ اس اجتماع میں درس قرآن اور درس حدیث ہوا۔ نیز آداب زندگی بتائے گئے۔ یہ تھی حلقہ خواتین کراچی کی رپورٹ۔

☆ **سرگودھا:** تنظیم میں شامل خواتین کی تعداد ۳ ہے۔ان میں سے ایک مقامی کالج میں لائبریری کی انچارج ہیں ۔ اپنے طور پر ترجمہ قرآن پڑھا رہی ہیں ۔مزید برآں لٹریچر اور منتخب نصاب کا مطالعہ بھی کروایا جاتا ہے۔ تنظیمی سطح پر ماہانہ اجتماعِ رفقاء کے ساتھ خواتین کے اجتماع کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ کیسٹ سننے کے علاوہ باہمی تعارف کا پروگرام کیا جاتا ہے۔

☆ **راولپنڈی:** ماہانہ اجتماع مردوں کے پروگرام کے ساتھ ہی ہوتا ہے ۔ یہاں بھی کیسٹ سننے کے علاوہ خواتین کے باہمی میل جول کا ماحول پیدا کیا جاتا ہے۔

☆ **اسلام آباد:** ایک رفیقۂ تنظیم (کرنل ڈاکٹر صنوبر بانو صاحبہ) کے ہاں خواتین کیلئے ایک ماہانہ اجتماع ہوتا ہے، جس میں منتخب نصاب کا درس دیا جاتا ہے۔

☆ **پشاور:** ماہانہ اجتماع جمشید عبداللہ صاحب کے گھر (۶۔النور سٹریٹ، گلبرگ کالونی نمبر۲ پشاور صدر) میں ہوتا ہے۔ درس قرآن ایک خاتون ہی دیتی ہیں۔

☆ **فیصل آباد:** مختلف رفقاء کے گھروں میں اجتماع ہوتا ہے، جس میں تنظیم کے کسی رفیق کا درس ہوتا ہے۔

☆ **گجرات:** ماہانہ اجتماع مختلف رفقاء تنظیم کے گھروں میں جاری ہے ۔ اسی سال گجرات میں جلسہ خلافت کے موقع پر امیر محترم کے ساتھ محترمہ نائلہ صاحبہ بھی گرلز کالج کی پرنسپل صاحبہ کی دعوت پر تشریف لے گئی تھیں ۔ وہاں انہوں نے اپنے طور پر خواتین کے اجتماع کا اہتمام کیا ہوا تھا، جس میں قریباً سو، سوا سو خواتین شریک تھیں۔ یہ اجتماع نہایت کامیاب رہا۔

☆ **کوئٹہ:** یہاں بھی مردوں کے اجتماع کے ساتھ ہی خواتین کا اجتماع بھی ہوتا ہے۔

☆ **ملتان:** ہفتہ وار اجتماع ڈاکٹر طاہر خاکوانی صاحب کی رہائش گاہ (۱۹۔اے گلگشت کالونی ملتان) پر ہوتا ہے۔۔ اس سال دورۂ ترجمۂ قرآن کے حوالے سے رمضان المبارک کے دوران امیر محترم کے ساتھ ان کے اہل خانہ کا قیام بھی ملتان میں رہا۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جمعہ ۲۲ رمضان کو بعد از نماز جمعہ تنظیم کی خواتین کا بھی ایک اجتماع رکھا گیا، جس میں اس بات کی کوشش کی گئی کہ وہاں پر ایک نقیبہ نامزد کر کے خواتین کے حلقے میں

تنظیم کے کام کو آگے بڑھایا جائے، کیونکہ بحمداللہ ملتان میں بھی قرآن اکیڈمی قائم ہو چکی ہے۔ مگر فی الحال کوئی بھی خاتون اس ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر لینے کے لئے تیار نہ تھیں، لہٰذا اس فیصلے کو ناظمہ صاحبہ کے اگلے دورۂ ملتان تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

☆ ☆ ☆

یہ تھی پاکستان میں تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کی کارکردگی کی رپورٹ --- اس کے علاوہ حال ہی میں ابو ظبی میں بھی خواتین کا ایک اسرہ قائم کیا گیا ہے، جو پانچ خواتین پر مشتمل ہے۔ یہاں کی نقیبہ زوجہ فہیم صاحبہ ہیں، جو حلقہ خواتین کو منظم کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔

اللہ کے فضل و کرم سے تنظیم اسلامی کی کارکن خواتین اپنی اپنی ہمت و استعداد کے مطابق اور اللہ کی تائید و توفیق سے اپنے اپنے حلقے میں دین کے لئے کام کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے اور مزید ہمت و توفیق عطا فرمائے۔

لاہور میں ماہ جون کے سالانہ اجلاس کے بعد مختلف شہروں کی خواتین کی طرف سے یہ شکایت موصول ہوئی تھی کہ انہیں اس اجلاس میں شرکت کے لئے دعوت کیوں نہیں دی گئی۔ چنانچہ حلقہ خواتین لاہور نے اس بات پر بہت غور کیا کہ آئندہ سالانہ اجلاس کے موقع پر بیرونِ لاہور سے خواتین کو دعوت دینے کی کیا صورت اختیار کی جائے۔ لیکن اس غور و خوض کا نتیجہ یہی نکلا کہ صرف اجتماع میں شرکت کے لئے خواتین کو دوسرے شہروں سے بلانا اور انہیں طویل سفر کی زحمت دینا ہمارے دین کے مزاج کے خلاف ہے، اور اتنی زیادہ تعداد میں خواتین کی رہائش کا انتظام نہ ممکن ہے اور نہ ہی مناسب۔ لہٰذا یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ آئندہ خواتین کے بڑے اجتماعات ان مختلف شہروں میں ہوں، جہاں پر تنظیم کی خواتین کی تعداد بھی مناسب ہو اور حلقہ خواتین بھی کچھ نہ کچھ فعّال اور متحرک ہو۔ ان شاء اللہ اس سال لاہور کے علاوہ کراچی میں بھی اس طرح کے اجتماعات کرنے کا ارادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان نیک ارادوں کو پورا فرمائے اور اپنے راستے میں ہماری محنت و کوشش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

(مرتبہ: امۃ الھادی)

ہم مغرب سے مقابلہ کرتے ہیں

....اور اُن ہی کی سرزمین پر!

ہم اپنے گارمنٹس، بیڈلنن اور ٹیکسٹائل کی دیگر مصنوعات مغربی ممالک، اسکینڈی نیوین ممالک، شمالی امریکہ، روس اور مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں کو برآمد کرتے ہیں اور ہماری برآمدات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن بیرونی منڈیوں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ہمیں انتھک محنت کرکے اپنی فنی مہارت اور معلومات میں مستقل اضافہ کرتے رہنا پڑتا ہے۔ ایسی محنت جو ہمیں ترکِ کردم نہیں لینے دیتی ایسی محنت جو ہماری کارکردگی کے معیار کو اور بلند کرتی ہے، ایسی محنت جو کوالٹی، ڈیزائن اور پابندیٔ وقت کے سلسلے میں کرم فرماؤں کے مطالبات اطمینان بخش طریقے پر پورا کرنے کا ہمیں اہل بناتی ہے۔

Made in Pakistan
Registered Trade Mark

Jawad

جہاں شرط مہارت
وہاں جیت ہماری

معیاری گارمنٹس تیار کرنے اور برآمد کرنے والے

ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز (گارمنٹس) پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IV/C/3-A ناظم آباد، کراچی - 18 - پاکستان - فون 610220-616018-628209
کیبل "JAWADSONS" ٹیلیکس 24555 JAWAD PK فیکس 610522 (92-21)

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd No.L
VOL. 41 No.
JUN 1992